له دعوة الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم : ۴ — فون نمبر رسالکش : ۲

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۷ — رمضان المبارک : ۱۳۹۱ھ

شمارہ : ۲ — نومبر : ۱۹۷۱ء

مدیر ——— سمیع الحق

——— اس شمارے میں ———

ناشر: سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ ——— مقامِ اشاعت: دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

طابع: منظور عام پریس پشاور ——— پرنٹر: محمد شریف ——— کتابت: اصغر حسن

فی پرچہ ۷۵ پیسے

سالانہ بدل: مغربی اور مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے — غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

پاکستان کے ثقہ دینی حلقوں اور بعض مقتدر رہنماؤں کی طرف سے دبی زبان میں سہی مگر مختلف وقفوں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ پاکستان کے ایک اہم کلیدی منصب سے مرزا غلام احمد قادیانی متنبی کذاب کے پوتے مسٹر ایم ایم احمد کو برطرف کر دیا جائے وہ کافی عرصہ سے نہ صرف صدر محترم کے اقتصادی مشیر ہیں بلکہ اقتصادیات کا سیاہ و سفید بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایسے اہم منصب پر ان کا تقرر ان کی "اعلیٰ قابلیت" اور "فنی مہارت" کی وجہ سے ہے تو اس قابلیت کا خمیازہ پورے ملک کو اس شدید بحران کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جو اصلاً اقتصادی ناہمواری اور عدم توازن کی پیداوار ہے۔ یہی چیز مشرقی و مغربی صوبوں میں نفرت اور دوری کا باعث بنی اور ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے کہ پچھلے دو ایک سال سے مشرقی خطہ کا ایک اہم سنجیدہ طبقہ اس کا ذمہ دار ایم ایم احمد کو ٹھہرا رہا تھا۔ یہ معاملہ عام مسلمانوں کی طرح دینی تقاضوں کی بنا پر ہمارے لئے بھی مدت سے لمحۂ فکریہ بنا ہوا ہے۔ مگر ملک جس نازک ترین حالات سے دوچار ہے ہم نہیں چاہتے کہ ایسی کوئی بات مزید پریشانیوں کا سبب بن جائے۔ ہمیں قومی یکجہتی، اور ملکی سالمیت بے حد عزیز ہے۔ ہم ایسے نازک لمحات میں حکومت اور رعایا کے درمیان مکمل اتحاد و اعتماد کی فضا برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے۔ اور مارشل لاء کے آہنی حصار کے باوجود۔ ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کے بعد کئی ایسی باتیں کچھ تخمینوں اور کچھ قرائن و آثار کی بنا پر مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں جس سے باہمی اعتماد مجروح اور پیمانۂ صبر لبریز ہو سکتا ہے۔۔۔۔ تو دینی مسئولیت کے علاوہ ملک اور ارباب حکومت کی خیر خواہی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس معاملہ میں براہ راست صدر محترم تک اپنے گذارشات پہنچائیں، ایسے حالات میں کہ سرحدات پر دشمن کی افواج جمع ہوں۔ اگر شبہات اندر ہی اندر پھلتے پھولتے رہیں اور صدر محترم کو "سب ٹھیک ہے" کے دائرہ میں رکھ کر عوام بالخصوص دینی و اسلامی حلقوں کی بےچینی سے بےخبر رکھا جائے تو نتیجہ ملک و ملت کے حق میں بہتر نہیں ہو سکتا۔

ایم ایم احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا اور کوئی سنجیدہ اور حقیقت پسند شخص اس انتہائی اقدام کی تحسین نہیں کرے گا۔ ملزم گرفتار ہوا۔ ایم ایم احمد کی نزاعی شخصیت کی وجہ سے فطری طور پر

تمام مسلمانوں کو اس کیس سے دلچسپی ہوئی وہ عدالت کی تفصیلات کو جاننا چاہتے تھے بجائے اس کے کہ مقدمہ سول عدالت میں آتا فوجی عدالت میں چلا گیا۔ جبکہ اس سے قبل قائد ملت لیاقت علی خان شہید کی شہادت اور غالباً پشاور میں صدر ایوب خان پر قاتلانہ حملہ جیسے اہم کیس بھی سول عدالت میں پیش ہوئے۔ اس سے عوام کے شکوک بڑھتے گئے کہ شاید یہ اقدام دینی وملی جذبات پر مبنی ہے پھر اخبارات میں یہ بھی آیا کہ چونکہ زیر بحث مسائل کا تعلق اہم قومی مفاد سے ہے۔ اس لئے کارروائی خفیہ رکھی جارہی ہے۔ اس سے شبہات کو اور بھی جلا ملی۔ مگر پھر بھی ملک کے موجودہ حالات اور بحران ختم کرنے کے لئے صدر صاحب کی مخلصانہ مساعی نے قوم کو اس معاملہ میں ضبط اور بردباری قائم رکھنے پر مجبور کیا ورنہ انگریز کے دور میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ملزم اگر سراسر خطاکار بھی ہوتا مگر دینی وملی حمیت اور اسلامی جذبۂ قربانی سے مجبور ہو کر پوری مسلم قوم اس کے دفاع میں کھڑی ہو جاتی مگر اس معاملہ میں قوم اپنے خیر خواہ اور مخلص ارباب اقتدار پر اعتماد کرتے ہوئے خاموش تماشائی بنی رہی نہ تو کسی نے ملزم کے خاندان سے ہمدردی ظاہر کی نہ ان کے دفاع میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اور غالباً ان کے وکیل تک کو بھی کسی دینی ادارہ اور علمی حلقوں نے اپنی خدمات کی پیشکش نہیں کی۔

اسے بعض لوگ ہماری حمیت ملی اور جذبات ناموس ختم نبوت کے سرد ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اسے ایک ایسے منظم اور باوقار قوم کے حسن ظن اور اعتماد پر بھی حمل کر سکتے ہیں۔ جو آخر وقت تک اپنے حکمرانوں پر بھروسہ کرتی ہے۔ اور اسے بجا طور پر یہ امید بھی ہے کہ سوادِ اعظم کے محبوب معتقدات اور نظریات کی پوری رعائیت رکھی جائے گی

مقدمہ فوجی عدالت میں ہے اور ہمارے دلوں میں اپنی عدالتوں کا پورا پورا احترام ہے۔ قوم کی نگاہیں عدالت کی تفصیلات پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر مسئلہ کا تعلق ملزم اور مدعی کے کسی ذاتی اور نجی معاملہ سے ہے۔ (جبکہ بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوتا۔ ورنہ نہ تو معاملہ فوجی عدالت میں جاتا نہ کارروائی خفیہ رکھی جاتی) تو یہ فریقین تک محدود رہے گا لیکن اگر تعلق دین کے اساسی اعتقادات اور بنیادی اصولوں سے ہے۔ تو ہم چاہیں یا نہ چاہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ کے وہ تمام جان نثار نام لیوا جن کے تذکرے بقول صدر پاکستان عشق نبوی سے سرشار ہیں اس معاملہ میں دلچسپی لیں گے۔

مگر کوئی رائے تفصیلات سامنے آنے پر قائم کی جا سکے گی۔ آج کی فرصت میں ہم بہت افسوس کے ساتھ حکومت کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتے ہیں جو ایک افواہ اور پھر افواہوں سے بڑھ کر خطوط اور تحریرات کے ذریعہ گردش کر رہی ہے اور صدر محترم سے بذاتہ اسی معاملہ کی حقیقت سے

پردہ اٹھانے کی اپیل کرتے ہیں۔ تاکہ اس سلسلہ میں شکوک وشبہات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ:

> ایم ایم احمد صاحب نے بینہ حملہ آور اسلم قریشی کے مقدمہ میں بیان دیتے ہوئے کہا میرا عقیدہ ہے کہ میرا دادا نبی تھا اور جو شخص اسے نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ اور اس بنا پر چوہدری ظفر اللہ خان نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ میں اپنی مرکزی تنظیم کو مالی امداد دیتا ہوں جو باہر ملکوں کو بھیجی جاتی ہے۔ بشمول ہندوستان حالانکہ مجھے علم ہے کہ ہندوستان میں مقیم احمدی جماعت نے بنگلہ دیش کی حمایت کا اعلان کیا ہے میں نے اس سلسلہ میں انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ جس ملک میں احمدی رہتے ہیں اسی ملک کے ہی وفادار ہوتے ہیں۔ میری کوشش رہتی ہے کہ لوگ ہمارے مذہب میں داخل ہوں میں اپنے عقائد کسی سے نہیں چھپاتا۔

ہمیں معلوم نہیں کہ واقعی یہ باتیں ایک اہم ذمہ دارانہ منصب پر فائز شخص کی ہیں یا نہیں۔ عدالت کے ریکارڈ سے اگر مصلحتاً حذف نہ کی گئی ہوں تو صورتحال معلوم کی جا سکتی ہے۔ کاش! ہمارے پاس کوئی ایسا مخفی ذریعہ رسل ورسائل ہوتا کہ ہم یہ افواہیں صرف صدر پاکستان تک خفیہ طور پر پہنچا سکتے اور وہ اس کا تدارک فرماتے۔

ہم اس مرحلہ پر حکومت سے کچھ کہے بغیر ایم ایم احمد صاحب سے اتنی گذارش کرتے ہیں کہ یہاں کی سوادِ اعظم سرورِ کائنات علیہ السلام کو خاتم النبیین سمجھتی ہے اور نہ صرف آپ کے دادا بلکہ ہر مدعی نبوت کو دجال، کذاب اور کافر سمجھتی ہے۔ اور بقول آپ کے یہ عقیدہ رکھنے والے سب کافر ہیں۔ پھر آپ کو اس کافر ملک کی خدمت کا روگ کیوں کھائے جا رہا ہے۔ اگر آپ اپنی خدمات ایک اسلامی مملکت کی بجائے ہندوستان یا اسرائیل کے سپرد کر دیں تو آپ کے دادا کی تحریک کی طرح شاید آپ کی پذیرائی بھی وہاں زیادہ ہو جائے۔ آپ بیشک بشمول ہندوستان مرکزی تنظیم کو مالی امداد دیتے رہیں، مگر اس صورت میں کہ آپ ملک کے خزانہ اور اقتصادیات پر قابض ہیں۔ قوم بجا طور پر یہ خطرہ محسوس کر سکتی ہے۔ کہ کہیں ہمارے خون پسینہ کی کمائی قادیانیت اور بنگلہ دیش کی تبلیغ وتعمیر میں تو خرچ نہیں ہو رہی اس لئے قوم آپ سے نہایت دردمندانہ التجا کرتی ہے کہ ایسے حالات میں آپ ازخود اس منصب جلیلہ سے سبکدوش ہو جائیں تاکہ آپ کی ذات ایسے نازک موقع پر حکومت اور رعایا کے درمیان بے اعتمادی یا کم از کم شکوک وشبہات کا ذریعہ نہ بنے اگر اس ملک کی اکثریت آپ کے عقیدہ میں کافر ہے۔ تو

آپ سے کسی خیر خواہی کی توقع کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نے ان افواہی باتوں کی فوری تردید نہ کی تو یاد رکھیں کہ پاکستان کے غیور مسلمان آپ کو اپنے سینوں پر مونگ دلنے کا مزید موقع نہیں دیں گے۔

★
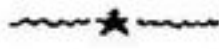
چین کو بالآخر فتح ہوئی اور امریکہ کو شکست ماننی پڑی۔ یہ ایشیائی اقوام کی جیت ہے۔ چین یہاں کے مظلوم اور ستم رسیدہ اقوام کا سہارا ہے۔ مگر ہمیں ڈر ہے کہ مغربی سامراج کا یہ حریف حلیف بن جانے کے بعد اپنے مثالی کردار کو چھوڑ نہ بیٹھے کہ الکفر ملۃ واحدۃ کی بناء پر رشتہ وحدت پہلے سے موجود ہے۔ لوگ امریکہ اور چین کے قرب و تعلق پر خوش ہو رہے ہیں۔ لیکن ہم چین کو نہایت مضبوط مگر مغربی سازشیوں سے بہت دور دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے عداوت ہی میں چین کی بھلائی ہے۔ اور ایشیائی اقوام کی بھی ہماری دعا ہے کہ چین اس امریکی دام زریں کی فریب کاریوں میں نہ آئے جس سے سمندر کی مچھلیاں اور فضاؤں کے پرندے بھی الامان والحفیظ کہہ کر پناہ مانگتے ہیں۔

★

ایران نے دنیا کے پچاس ممالک سمیت ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا اور بقول ایرانی وزیر دربار اسد اللہ عالم کے صرف ایران میں اس جشن پر ایک کروڑ ۶۶ لاکھ ڈالر خرچ ہوئے۔ تخت جمشید میں دو چار روز کی رہائش کے لئے سنہری خیموں کے گاؤں پر ۶۳ لاکھ ڈالر خرچ ہوئے۔ یہ کروڑہا کروڑ کے مصارف اور یہ شہنشاہی طور طریقے اس مسلمان قوم کے ہیں جو ہزارہا ہزار مسائل اور الجھنوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جس کا بیت المقدس یہود نے چھینا ہے۔ جس کی صحرائے سینا پر دشمن قابض ہے۔ جس کے خون سے قبرص اور فلپائن میں ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ جس کا کشمیر ہندوؤں نے غصب کیا ہے۔ جس کی سرحدات پر غیر قومیں مستعد اور چاک و چوبند کھڑی ہیں ــــ اور خرچ بھی ان عجمی شہنشاہوں کی یاد پر جنہوں نے اپنے دور میں اسلام اور داعئ اسلام کے راہ میں روڑے اٹکانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس ملک میں منایا گیا جو شیعان حسینؓ کہلا کر حضرت حسینؓ کے نام پر اس لئے فدا ہوتا ہے کہ بزعم ان کے انہوں نے ملوکیت کے خلاف آواز اٹھائی اور جن کے ہاں حضرت معاویہؓ نعوذ باللہ اس لئے گردن زدنی ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں بیعت لی۔ مگر جو شہنشاہیت کا بانی کہلائے اس کی قبر کا طواف کرتا ہے۔ اور شہنشاہیت کو ایسی بے مثال خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ اور ستم ظریفیاں دیکھنی ہوں تو اپنے ہاں کی جماعت اسلامی کو دیکھئے جو حضرت معاویہؓ کو اسی جرم میں ملوکیت کا بانی اور قابل ملامت سمجھ کر خلافت و ملوکیت

کا بلو فان اتفاقی ہے۔ مگر اس عظیم جشن پر ان کا پورا پریس خاموش ہے۔ مصر کے صدر ناصر کو ایک نعرۂ فرعونیت
کے الزام پر جو تحقیق طلب تھا، اب تک معاف نہیں کر سکتی مگر دارا اور خسرو پرویز کے اس زبردست
خراجِ تحسین میں اسے نہ صرف سانپ سونگھ گیا، بلکہ لاہور سے ان کے ایک نیم سرکاری ہفت روزہ نے
ذوالقرنین کے پردے میں پردہ داری کی سعی بھی کی جو پچھلے ایک شمارہ میں جمہوریت کو اسلام پر واضح الفاظ
میں ترجیح کا اعلان بھی کر چکا تھا۔ اور ذرا اپنے ان مساوات اور سوشلزم کے دعویداروں کے قول و عمل کا بھی
موازنہ کیجئے۔ جن کا پورا پریس شہنشاہیت کی یاد منانے میں برابر کا شریک تھا اور جن کے مساوات ۱۰ اکتوبر
۱۹۷۱ء میں ڈکٹیٹر شپ، شہنشاہیت کے ساتھ ملائیت کو عالمِ اسلام کے زوال کا سبب قرار دیا گیا
تھا مگر اوپر کے سارے حاشیے جشن کی رنگ رلیوں سے بھرپور تصاویر سے مزین تھے اور جن کے قائدین
نے جشن کی ہر شب کو "شبِ قدر" جان کر دل کے ارمان نکالے۔

تضادِ قول و عمل کے کیسے کیسے عبرتناک نمونے اس واقعہ میں موجود ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار

★
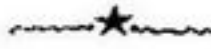
مصر کے بعد لیبیا کی آئین سازی کے بارہ میں بھی خوش آئند خبر آئی۔ اعلیٰ انقلابی کونسل نے ملکی قوانین کو اسلامی
تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کے اہم اقدامات کئے ہیں جس کے لئے وہ پورے عالمِ اسلام سے تحسین کی مستحق ہے۔
حق تعالیٰ حکومتِ لیبیا کی صحیح رہنمائی فرمادے۔ پاکستان میں پھر آئین سازی کا مرحلہ درپیش ہے اور یہ واحد ملک ہے
جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس لئے اسے پوری (اسلامی) دنیا میں اسلامی تجربہ گاہ اور معمل کی حیثیت سے اولین مقام حاصل تھا۔
مگر اب شاید اسے تیسرے درجہ میں بھی جگہ مل جائے تو زہے نصیب۔ کاش! ہمارے اربابِ حل و عقد ان اسلامی
ممالک سے نصیحت لیں جو سوشلزم اور قومیت کی ہلاکت خیزیوں سے گذر کر اسلام کے ساحلِ سلامت ہی میں نجات
پا رہے ہیں۔

★

صدیوں بعد ارضِ اسپین ہاکی ٹیم کی فتح پر اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ قابلِ فخر کھلاڑی سربسجود ہوئے،
بھارت کے بعد اسپین کی شکست کاش! کفر کی دوہری شکست کے لئے فالِ نیک بن سکے اور کبھی اندلس کی
وادیاں فاتحینِ اسلام کے ان نعروں سے گونج اٹھیں جن کے لئے قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلیہ کے کھنڈرات گوش
برآواز ہیں۔

★

پچھلے ماہ سابق ریاست سوات کے بانی میاں گل عبدالودود مرحوم انتقال کر گئے۔ قیامِ مملکت و نظم و نسق
میں کئی مراحل سے گذرے۔ تاریخ ساز شخصیت تھے ریاست کو بنتے اور پھر بگڑتے دیکھا۔ علم دوست
رہے۔ اور اواخر عمر میں تو علمی مذاکرات مطالعہ اور ذکر و فکر ہی سے سروکار رہا حق تعالیٰ ان حسنات کو کفارۂ
سیئات بنادے۔ ادارہ پوری ریاست اور خاندان سے اس غم میں شریک ہے۔ آمین۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

استاذ محترم حضرت علامہ
مولانا رسول خان مرحوم

از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

حضرت الاستاذ المحترم مولانا مرحوم کی جدائی نہ صرف پورے برصغیر بلکہ دیگر کئی ممالک کے علمی و دینی حلقوں کیلئے بھی بہت بڑا صدمہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون فان للہ ما اخذ وللہ ما اعطی۔ حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحب قدس اللہ سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے اساتذہ کرام میں سے تھے۔ حضرت کا علم بحر بیکراں پایاں اور عمیق تھا۔ حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت مرحوم بھی تمام علوم عقلیہ اور فنون کے امام تھے پھر معقولات کے ساتھ منقولات پر بھی دسترس حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں علم کلام و فلسفہ و منطق کی اونچی کتب مثلاً قاضی شرح مسلم، صدرا، شمس بازغۃ، مسامرہ، امور عامہ، شرح اشارات، شرح عقائد جلالی اور کبھی طحاوی شریف بیضاوی و مسلم شریف بھی پڑھاتے تھے ناچیز کے بھی نہایت مشفق استاد تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند کی طالب العلمی کے دوران معقولات میں قاضی شرح مسلم العلوم، صدرا، شمس بازغۃ اور احادیث میں طحاوی شریف، الکلام میں شرح عقائد جلالی، مناظرہ میں رشیدیہ وغیرہ کی کتابوں میں ان کا شرف تلمذ حاصل ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے جلسوں میں جب جانا ہوتا اور وہاں میں زیارت کیلئے حاضر ہوتا تو دارالعلوم حقانیہ کی علمی ترقیات بالخصوص اس میں معقولات کی درس و تدریس کے اہتمام پر بہت مسرت کا اظہار فرماتے اور ہمیشہ خاص دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔ دیوبند میں انہی کے ہمعصر حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم بھی علوم و فنون میں یکتا اور امام وقت تھے۔ ناچیز نے ان سے علم حدیث میں مسلم شریف اصول فقہ میں توضیح تلویح، اور مسلم الثبوت۔ علم منطق و فلسفہ میں امور عامہ، شرح اشارات وغیرہ پڑھیں دونوں حضرات میں دیگر تمام اساتذہ کرام کیطرح سے محبت اور ربط و تعلق رہتا اور ہر ایک دوسرے

کی قدر دانی اور اعتراف کمالات میں پیش پیش رہتے۔ طلباء دارالعلوم دیوبند کی علمی ترقی میں حضرت مولانا مرحوم کی مساعی کو بڑا دخل رہا۔ طالب العلموں کو کتاب دانی اور مطالعہ کا طریقہ بتلاتے طالب العلم تھوڑی سی عبارت پڑھ لیتا۔ پھر حضرت اوّل تو عبارت کتاب کے مطلب اور مفہوم کی وضاحت فرماتے، مرادات سے عبارت کا انطباق فرماتے۔ پھر قیودات کے فوائد بیان کرتے اور نقض وابرام کرکے مسئلہ کو نہایت منقح کر دیتے اور اس کے بعد نفس مسئلہ اور فنی مباحث پر تفصیلی تقریر ہوتی گویا دقائق وحقائق کا ایک سمندر موجزن ہوتا اور ان کی زبان سے گویا علمی جواہرات اور موتی جھڑتے تھے۔

حضرت طلباء پر از حد شفیق تھے متانت اور وقار کے پہاڑ تھے، بردباری اور تحمل کا پیکر تھے۔ اور نہایت نفیس الطبع بھی تھے۔ لباس، چال ڈھال ہر چیز میں نفاست ترشح ہوتی، مادری زبان پشتو تھی۔ مگر دیوبند میں گھر سے باہر کبھی بھی پشتو بولتے نہیں دیکھا۔

اس بے نظیر علم کے ساتھ تواضع بھی از حد تھی۔ ایک ادنیٰ تلمیذ سے بھی ایسے گفتگو فرمایا کرتے جیسے کوئی بڑے عالم سے ہم کلام ہو۔ تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ اواخر عمر کا اکثر حصہ ذکر واذکار، فکر ومراقبہ، تبلیغ وارشاد میں گذارا۔ قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے لیکر اب تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں حدیث کی تدریس فرماتے رہے۔ اور یہ جامعہ کی خوش بختی تھی کہ اسے ایسا نمونۂ سلف بزرگ مل گیا تھا۔ جامعہ میں ان کا ترمذی شریف کا درس بے نظیر ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے اسلاف میں سے تھے۔ افسوس کہ اکابر سب چلے گئے مگر کوئی بدل نہیں مل سکے گا۔ بلکہ ایسے جامع الصفات اکابر کا کسی ایک وصف میں بھی بدل نہیں ہو سکتا۔ واقعی موت العالم موت العالم کا منظر سامنے ہے۔ اور علامات قیامت میں سے علامت رفع علم بقبض العلماء۔ کا کامل ظہور ہو رہا ہے۔ حق تعالےٰ مشفق استاذ حضرت مرحوم کو قرب ورضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز فرماوے اور ہم اخلاف کو ان کے نقش قدم اور اسوہ پر چلنے کی توفیق دے۔

ناچیز اور دارالعلوم حقانیہ کے تمام متعلقین مولانا مرحوم کے پسماندگان اور جامعہ اشرفیہ کے منتظمین کے ساتھ اس صدمہ میں شریک اور یہ پوری علمی برادری کا مشترکہ صدمہ ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب میرے ایک عزیز نے جشن ایران پر الحق کا اداریہ سنایا۔ عزیزم! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے اکابر کے جانشینوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلہ میں اسلاف کی قائم کردہ روایات کو برقرار رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حق گوئی و بے باکی کی مزید جرأت اور اسلام کے بنیادی عقائد کے تحفظ کی توفیق دے۔
(مرشد طریقت شیخ عبدالہادی دین پوری مدظلہ۔ مفصل مکتوب اگلے شمارہ میں)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

روزہ اور صدقۃ الفطر کی حکمتیں

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی عقل کو اس کے نفس پر غلبہ اور تسلط دائمی حاصل رہے۔ مگر باعث بشریت لبسا اوقات اس کا نفس اس کی عقل پر غالب آتا ہے۔ لہذا تہذیب و تزکیہ نفس کے لئے اسلام نے روزہ کو اصول میں سے ٹھہرایا ہے۔

۱۔ روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط و غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ روزہ سے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: لعلکم تتقون۔ یعنی روزہ تم پر اس لئے مقرر ہوا کہ تم متقی بن جاؤ۔

۳۔ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی و مسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے۔

۴۔ روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔

۵۔ دور اندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

۶۔ کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

۷۔ درندگی اور بہیمیت سے دوری ہوتی ہے۔

۸۔ ملائکہ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

۹۔ خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے۔

۱۰۔ انسانی ہمدردی کا دل میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک اور پیاس محسوس نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے، اور وہ رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکریہ علیٰ وجہ الحقیقت کب ادا کر سکتا ہے۔ اگرچہ زبان سے شکریہ ادا کرے۔ مگر جب تک اس کے معدہ میں بھوک اور پیاس کا اثر اور اس کی رگوں اور پٹھوں میں ضعف و ناتوانی کا احساس نہ ہو وہ نعمہائے الٰہی کا کما حقہٗ شکر گزار

نہیں بن سکتا کیونکہ جب کسی کی کوئی محبوب و مرغوب مالوف چیز کچھ زمانہ گم ہو جاوے تو اس کے فراق سے اس کے دل کو اس چیز کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

۱۱۔ روزہ موجب صحت جسم و روح ہے چنانچہ قلت اکل و شرب کو اطبا نے صحت جسم کے لئے اور صوفیۂ کرام نے صفائی دل کیلئے مفید لکھا ہے۔

۱۲۔ روزہ انسان کیلئے ایک روحانی غذا ہے، جو آئندہ جہاں میں انسان کو ایک غذا کا کام دیگا۔ جنہوں نے اس غذا کو ساتھ نہیں لیا وہ اس جہان میں بھوکے پیاسے ہوں گے اور ان پر اس جہان میں روحانی افلاس ظاہر ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی غذا کو ساتھ نہیں لیا اور یہ بات ماننے کے لائق ہے جب کہ کھانے پینے کی تمام اشیاء خداوند تعالیٰ ہی کے خزانۂ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں تو جن اشیاء کو وہ یہاں چھوڑتا ہے۔ ان کا عوض وہاں ضرور دے گا جو یہاں سے بہتر و افضل ہوگا۔

۱۳۔ روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے، جیسے کہ کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ اور بیوی کے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں۔ ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

وجہ تقرر صدقۂ فطر | ۱۔ عید الفطر میں صدقہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ کہ اوّل تو اس کے سبب عید الفطر کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی تکمیل ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہے۔ جسطرح کہ نمازیں فرائض کی تکمیل کے لئے سنتیں مقرر کی گئی ہیں۔ ایسا ہی یہ صدقہ مقرر ہوا۔

۲۔ اغنیاء، دولتمندوں اور ذی وسعت لوگوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے۔ مگر مسکین و مفلسوں کے گھروں میں بوجہ ناداری کے اسی طرح سے شکل محرم موجود ہوتی ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے ذی وسعت لوگوں پر بوجہ شفقت علی خلق اللہ لازم ٹھہرایا کہ مساکین کو عید سے پیشتر صدقہ دیدیں تاکہ وہ بھی عید کریں یہاں تک کہ نماز عید پڑھنے سے پیشتر ہی ان کو صدقہ دینا لازم ٹھہرایا اور اگر مساکین کثرت سے ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرنے کا ایما ہوا تاکہ مساکین کو یقین ہو جاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی ــــ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقۂ فطر ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت چھوٹے بڑے پر ایک صاع چھوہارے یا جو یعنی انگریزی ملیری سیر سے ساڑھے تین سیر پختہ گندم جس ظرف میں آجاویں کہ وہ ظرف ایک صاع کا ہوتا ہے۔ اس ظرف کو بھر کر چھوہارے یا جو اس لئے مقرر فرمائے ہیں کہ غالباً یہ مقدار ایک چھوٹے کنبے کو ایک روزہ کیلئے کافی ہوتی ہے ــــ ؏

مولانا عبدالشکور ترمذی، ساہی وال ضلع سرگودھا

تلخیص وانتخاب از ترجمان السنۃ

کتاب وسنت کی روشنی میں

مقام رسالت ونبوت کی صحیح پہچان نہ ہونے اور اس کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے دیکھا جارہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حقوق اطاعت ومحبت اور عظمت وغیرہ میں اکثر کوتاہی برتی جارہی ہے۔ اور ان برگزیدہ ہستیوں کے بارہ میں طرح طرح کے افراط وتفریط سے کام لے کر ان کی حق تلفی کی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ نے تو ان حضرات کو عام انسانوں کی سطح پہ لاکھڑا کرنے کی کوشش میں انتہا کردی۔ ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ جتنی کہ ایک پیغام پہنچانے والے انسان اور چٹھی رساں کی ہوتی ہے۔ (العیاذ باللہ) اور دوسرے گروہ نے ان حضرات کے ذاتی کمالات اور فطری خصوصیات کو دیکھ کر ان کی بشریت کے واضح اور صاف قرآنی مسئلہ کو ایسا الجھا دیا کہ گویا وہ اس سے انکاری ہے اور اس کے نزدیک مقام رسالت اور بشریت میں منافات اور تضاد ہے۔

زیر نظر مقالہ اس غرض سے ترتیب دیا گیا ہے کہ مقام رسالت سے متعلق متذکرہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی اور اصلاح ہو اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق وآداب کے بارہ میں افراط وتفریط سے بچکر راہ اعتدال اور مسلک حق واضح ہو جائے۔

یہ مضامین بڑے عمدہ پیرائے بیان کے ساتھ ترجمان السنۃ میں موجود ہیں مگر چونکہ وہ کسی ایک مقام پر مرتب شدہ شکل میں نہیں تھے۔ بلکہ ترجمان السنۃ کی ضخیم جلدوں میں سینکڑوں صفحات اور متفرق مقامات پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس لئے مرتب نے وہاں سے ہی منتشر مضامین کو مختلف مقامات سے ایک عنوان کے تحت جمع کرنے کی محنت وسعی کی ہے۔ تاکہ ان منتشر اور متفرق مضامین سے ناظرین سہولت

سہولت کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔ اور جگہ جگہ سے اتنی ضخیم کتاب کی ورق گردانی کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

مرتب نے چونکہ صرف عبارات کے نقل اور جمع کرنے کی خدمت ہی انجام دی ہے اس لئے اس مقالہ کی خوبیوں اور اس کے محاسن میں مرتب کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ یہ ترجمان السنۃ کے مصنف ہی کا فیض ہے۔ اور اس کے محاسن کا شمار مصنف ہی کے حسنات میں ہونا چاہیئے۔ البتہ مقالہ کی ترتیب کے لئے ترجمان السنۃ کی عبارت میں بہت جگہ حذف و زیادت اور اضافہ و ترمیم بھی کیا گیا ہے اور اسطرح اصل عبارت میں بہت جگہ تغیر ہو گیا ہے۔ اس لئے ناظرین کرام اگر کسی جگہ مقالہ کے مضامین میں بے ربطی اور کوئی خلاء نظر آئے یا کسی قسم کا اشتباہ محسوس ہو تو اسکو مصنف علامہ ہی کی طرف منسوب نہ کیا جائے بلکہ اسکو مرتب کی نظر و فکر کی کوتاہی تصور کیا جائے۔ اور مرتب کو مطلع فرما کر ممنون فرمایا جائے۔ فقط (مرتب)

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

واضح رہے کہ ایمان کا ایک رکن اعظم انبیاء علیہم السلام کو ماننا اور ان پر ایمان لانا بھی ہے۔ جسطرح اللہ تعالیٰ کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک فرد کا یا اجمالاً ان کی جنس ہی کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

مدارِ نجات | معلوم ہونا چاہیئے کہ مدار نجات ایمان باللہ اور ایمان بالغیبات ہے، اور مغیبات سے مراد قیامت، فرشتے، جنت و دوزخ وغیرہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان ہی امور کی تعلیم و تشریح کیلئے تشریف لائے ہیں

ایمان بالرسولؐ اصل اصول ہے | اور چونکہ ان غائب اور غیر محسوس مغیبات پر انبیاء علیہم السلام کے واسطہ کے بغیر ایمان میسر نہیں آسکتا اس لئے ان پر ایمان لانے سے بھی پیشتر انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا لازم ہوتا ہے۔ اس طرح ایمان بالرسولؐ جو درحقیقت ایمان باللہ کا ایک ذریعہ تھا اب ایک حیثیت میں رکن رکین اور اصل الاصول بن جاتا ہے۔ اسی لئے یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسلّم چلا آیا ہے کہ ایمان کے لئے خدا تعالیٰ کی توحید اور رسولؐ کی رسالت کی تصدیق دونوں ہی اجزاء لاینفک ہیں۔ اس وقت ہماری غرض یہ ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی ہمیشہ توحید الٰہی کے

برابر کا جزو سمجھا گیا ہے۔ اور آسمانی مذہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو مدار نجات نہیں سمجھا گیا کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص رسول پر ایمان لانے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

قرآن و حدیث کے تواتر سے یہ ثابت ہے کہ رسولوں کی تصدیق نجات ابدی کیلئے ایسی ہی ضروری ہے جیسی کہ خدا تعالیٰ کی توحید، اس میں کسی تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔

امام رازیؒ کا ارشاد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت عقلاً تمام مخلوق پر واجب ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے بغیر اس معرفت کا حاصل ہونا ناممکن ہے اس لئے نبوت و رسالت کا انکار درحقیقت حق تعالیٰ کی ذات پاک کا ہی انکار ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا　　انہوں نے حق تعالیٰ کے کمالات کا ٹھیک

ما انزل اللہ علی بشر من شئ　　ٹھاک اندازہ ہی نہیں لگایا جبکہ یہ کہا کہ اس نے کسی بشر پر کتاب ہی نازل نہیں فرمائی۔

یعنی جب یہ لوگ رسولوں پر شریعت کے نزول کا انکار کرتے ہیں تو گویا خدا تعالیٰ کی جانب سے رسالت ہی کا انکار کرتے ہیں اور رسالت کا انکار اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کی صفات اور اس کے کمالات کی برتری کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔

اقوام عالم پر نظر آج دنیا کی اقوام پر نظر ڈال لیجئے۔ آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ جو قوم نبوت و رسالت کی منکر ہوتی ہے اس کو پھر خدائی معرفت میں کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا بلکہ جو قوم رسولوں کی معرفت میں جتنی پیچھے رہ گئی ہے وہ اتنی ہی خدا تعالیٰ کی معرفت میں بھی پیچھے رہ گئی۔

آج نصاریٰ جو عقلاء زمانہ کہلاتے ہیں جب انہوں نے اپنے رسول کے صحیح مقام کو پہچاننے میں ٹھوکر کھائی تو پھر دیکھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت میں ہی ان کا حصہ کتنا رہا۔ یہاں تک کہ توحید فی التثلیث کا بنیادی مسئلہ بھی ان کے نزدیک تقدیر کی طرح مذہب کا ایک راز بن کر رہ گیا۔ اس کے بالمقابل امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہے۔ کہ جب وہ اپنے رسولؐ کا صحیح مقام پہچاننے میں پیش گام رہی تو اس کو اپنے رب کی معرفت کا جام بھی سب سے بھرپور نصیب ہوا۔ اس لئے یہ امت تمام امتوں پر فوقیت لے گئی ہے۔

آیت بالا کی روشنی میں یہ فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف نہیں کرتے اور صرف توحید کے قائل ہیں۔ کیا ان کو صحیح معنیٰ میں توحید اور

ایمان بالغیب نصیب ہو سکتا ہے۔ اسی لئے امام موصوف فرماتے ہیں:

من انکر النبوت والرسالۃ فھو	جس نے نبوت و رسالت کا انکار کیا درحقیقت
فی الحقیقت ما عرف اللہ عزوجل	وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی معرفت ہی سے
(تفسیر کبیر ص ج)	نصیب ہے۔

ضروریات دین اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے یعنی توحید کی طرح ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کا دین محمدی میں ہونا اتنا روشن ہو جائے کہ محتاج دلیل نہ رہے ان سب کا ماننا ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اسی کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ مثلاً فرائض خمسہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا، عذاب قبر، قرآن کریم وغیرہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کے ثبوت میں دلائل کی حاجت نہیں بلکہ ان چیزوں کا دین اسلام میں داخل ہونا عام طور پر سب کو معلوم ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کا انکار اسی طرح کفر ہوگا جیسا کہ توحید و رسالت کا انکار کفر ہے۔

جسطرح ایمان میں اللہ اور رسول کے درمیان فرق کی گنجائش نہیں ایک کا منکر دوسرے کا منکر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح رسولوں میں بھی باہمی یہی نسبت موجود ہے۔ یعنی کسی ایک رسول کا انکار کرنا دوسرے کا انکار اور کفر ہے ـــــ اب آیات ذیل کو پڑھئے:

۱- انما المؤمنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ...	مومن دراصل وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔
۲- ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ○ اولئک ھم الکفرون حقا ۔	جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کس پر ایمان لائیں گے اور کس کا انکار کریں گے الخ یہی لوگ اصلی کافر ہیں
۳- ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعیدا ۔	جو انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور رسولوں اور قیامت کے دن کا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسولوں پر بلا تفریق ایمان لانے کا حکم ہے۔ دوسری آیت میں

ان کے درمیان فرق کرنے والے کو اصلی کافر کہا گیا ہے۔ اور تیسری آیت میں ایمان میں فرشتوں اور یوم آخرت (قیامت) کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

ایمان کے شرعی معنی ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے۔ اس لئے امانت و اعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ اور ان خبروں کی تصدیق کو ایمان کہتے ہیں جو چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں اور انکی تصدیق صرف مخبر کی امانت و دیانت اور اس کے اعتماد و وثوق کی بنا پر کی گئی ہو۔

لفظ ایمان لغت میں گو مطلقاً تصدیق کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اس کا عام استعمال صرف عالم غیب کی تصدیق میں آیا ہے۔ اور جب شریعت کی اصطلاح میں کوئی لفظ کسی خاص معنی کیلئے مخصوص ہو جائے تو اب قرآن و حدیث میں اس کے لغوی یا عام معنی مراد لینا صحیح نہیں بلکہ جو معنی شرعی اصطلاح قرار پا چکے ہیں۔ قرآن و حدیث میں وہی معنی مراد لئے جائیں گے۔

قرآن سے تائید غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورہ بقرہ میں یومنون بالغیب کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے۔ اس جگہ غیب کا لفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے۔ بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کیلئے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے۔ مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لفظ غیب کے معنی امام راغب لفظ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں والغیب فی قولہ تعالیٰ: یومنون بالغیب مالا یقع تحت الحواس ولا یقتضیہ بداھۃ العقل وانما یعلم بخبر الانبیاء علیھم السلام۔ غیب کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آیت یومنون بالغیب میں غیب کا اطلاق ان چیزوں پر کیا گیا ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے معلوم ہوتی ہیں۔

عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ تحت الحواس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان سے آنا عین تقاضائے عقل ہے، اور یہی تصدیق و اذعان ایمان کی ساری قیمت ہے، اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ایمان بے قیمت ہے۔

ایمان اور تصدیق میں فرق | لفظ تصدیق ہر خبر میں خواہ مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو یکساں طور پر مستعمل ہو سکتا ہے اور ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جن کی تصدیق صرف مخبر کی امانت و دیانت اور اس کے اعتماد و وثوق کی بنا پر کی جاتی ہے۔

اس لئے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں آمنت نہیں کہہ سکتے یا دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لغتہً ایک دوسرے کی تصدیق کیلئے "صدق احدھما صاحبہ" کہا جاتا ہے۔ آمن لہ نہیں کہا جا سکتا اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کیلئے دوسرے پر اعتماد و وثوق کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے اس لئے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

ناواقف صاحبوں کی غلطی | ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق کس چیز سے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات کو پہلے اسطرح معقول بنا دیا جائے کہ پھر ان کی تصدیق کے لئے اعتماد و رسولؐ کا واسطہ ہی نہ رہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال و افعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔

ایمان کی روح | ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے۔ اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جبکہ عالم غیب پر ہو۔ ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب۔ یعنی دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید بن دیکھے کون کون کرتا ہے۔

ملائکہ انبیاء اور صحابہؓ کا ایمان | خدا کے مقدس فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی متکفل ذریعہ خود قدرت ہوتی ہے ان کا تعلق عالم غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر بھی براہ راست ہوتا ہے۔ اور صحابہؓ کی آنکھوں کے سامنے اگرچہ بلا واسطہ عالم غیب نہ ہو مگر عالم غیب کا بلا واسطہ ترجمان یعنی رسولؐ ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے ان کو دیکھ کر وہ عالم غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک سطحی شبہ کا ازالہ | رسول کی ذات گو انہی قطعی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے اور اس کا عالم غیب میں شمار نہیں ہوتا بلکہ وہ دیکھنے والوں کے سامنے محسوس و مشاہد موجود ہوتے ہیں

اس لئے سطحی طور پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس صورت میں رسولوں پر ایمان لانا، ایمان بالمغیبات میں کیسے شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ رسول کی ذات اگرچہ مشاہد و محسوس ہوتی ہے مگر اس کی رسالت بہرحال میں عالمِ غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتا ہے۔ اور اسی پر ایمان لانے کا انسان مکلف ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے رسول پر ایمان، ایمان بالمغیبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کے دیکھنے والے بھی گویا ان دیکھے ہی رسول پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

البتہ رسول پر ایمان لانے میں اس کے دیکھنے والوں کیلئے رسولؐ کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین و مددگار ہوتی ہے۔ وہ اس کا مشاہدہ کر کے ایمان کے قبول کرنے میں اس سے براہِ راست مدد حاصل کرتے ہیں۔

چونکہ رسولؐ کی وفات کے بعد یہ مساعدت جو رسول کی ذاتِ گرامی کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ باقی نہیں رہتی۔ اور صرف عالمِ غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے۔ اس لئے اس پر ایمان لانا ہر حیثیت سے بن دیکھے ہو کر جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے، میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے۔ کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا پچھلا حصہ۔

صحابہ کرامؓ کے بعد اب رہے امت کے وہ لوگ جن کو نہ عالمِ غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے رسولؐ کی بصیرت افروز ہستی ہی ہوگی، ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسولؐ کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے، وہ ان ہی کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ ان کا ایمان اگرچہ نامساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو جس درجہ پر صحابہ کرامؓ کا ایمان ہے۔ لیکن یہ ایمان بھی قابلِ تعجب ضرور ہے۔ فضیلت کلی گو صحابہ کرامؓ کو حاصل ہے لیکن ایک جہت سے فضیلت جزیہ کے حقدار وہ ہی رہیں گے۔ اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعلمین کی ساری کی ساری امت قابلِ غبطہ بن جائے گی۔ کوئی حصہ کسی جہت سے کوئی حصہ کسی جہت سے۔

رسول و اوتار و بروز اسلام میں رسول نہ خدا تعالیٰ کا اوتار ہو سکتا ہے۔ کہ خدائی اس میں حلول کر سکے اور نہ خود خدا ہو سکتا ہے کہ ہیکلِ انسانی میں جلوہ نما ہو، رسول کے متعلق خدائی کا تصور عیسائیت کا ساختہ ہے اور خدا تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ رسول کی صورت میں بروز کرتا ہے برابہہ کا عقیدہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ان دونوں سے علیحدہ ہے۔ بلکہ یہ دونوں تصور اسلام میں سب مصداق نا ممکن اور

محال ہیں۔

عقلی دلیل | عام حیوانات کو دیکھئے، قدرت نے ان کبھی ہر نوع کی جدا جدا خصوصیات اور صورتیں دکھیں اور اسطرح ہر نوع کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دیا ہے کہ ہزار ترقی کرنے کے بعد بھی ایک نوع دوسری نوع کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی بلکہ ہر نوع اپنی ان ہی قدرتی حدود کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور اسی حدبندی سے اس عالم کا نظام قائم رہتا ہے۔ جب مخلوقات کے دائرہ کی یہ سرحدیں اتنی مضبوط ہیں تو خالق کے متعلق یہ گمان کرنا کہ کوئی انسان اپنے دائرہ سے ترقی کر کے اسکی سرحد میں قدم رکھ سکتا ہے۔ کس قدر سفیہانہ اور غلط خیال ہے۔

انسانیت رسول کا کمال ہے | اس لئے رسول کے بارہ میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ رسول ایک انسان کامل ہوتا ہے اور اپنی تمام عظمتوں اور مراتب قرب کے باوجود الوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ رسول خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور پیغمبر اور اس کی جانب سے منصب اصلاح پہ کھڑا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کیلئے صرف علم کافی نہیں احساس کی بھی ضرورت ہے۔ جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غم زدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا، جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دلسوزی کرنا بھی نہیں جانتا اور جو فطرت انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں۔ وہ ان کمزوریوں پہ اغماض اور چشم پوشی بھی نہیں کر سکتا۔

علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں، تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ان کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ نسل انسانی پہ یہ ایک بدنما داغ بھی ہوتا کہ اشرف المخلوقات انسان کا مصلح اور مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے۔ اس لئے خود رسول اور انسان کا شرف وکمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔

یاد رکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت یہ نہیں کہ آپ کی بشریت ہی سے انکار کر دیا جائے۔ بلکہ آپ کی عظمت اس میں ہے کہ آپ کی بشریت کی وجہ سے جنس بشری کی افضلیت کا یقین پیدا کر لیا جائے۔

(باقی آئندہ)

اتحاد
وقت کی اہم ضرورت

مولانا محمد ذاکر صاحب جامعہ محمدی جھنگ۔ ممبر قومی اسمبلی

دینی حلقوں اور جماعتوں سے

آج ملک وملت کو جو نہایت سنگین حالات درپیش ہیں آپ کے سامنے ہیں۔ "عیاں را چہ بیاں"۔ یہ نہایت ہی دردناک المیہ ہے۔ اندریں حالات جسقدر آپ حضرات پہ خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ بھی واضح ہے۔ قوموں کا عروج وزوال ایسے ہی المناک حالات سے پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان کا وجود جن خاص توقعات اور بلند ترین اسلامی نظریات کے باعث وجود میں آیا تھا۔ آج اس کا وجود شدید خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں اور لادینی عناصر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے بلکہ ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ایک حالیہ بھارتی اطلاع کے مطابق بنگلہ دیش کی طرح "آل انڈیا سندھو سیوا سنگھ" کی تحریک بھی سندھ کو بھارت میں شامل کرنے کیلئے جاری ہو رہی ہے۔ ایسے کئی خطرناک منصوبے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظاہر ہو چکے ہیں۔ تفصیلات کی گنجائش نہیں یہود اور ہنود مسلمانوں کی مخالفت میں صف اول کے دشمن ہیں۔ آج تک مسلمانوں کو اس قدر سنگین ترین صورت حالات پیش نہیں آئی تھی۔ یہ نہایت ہی ابتلاو آزمائش کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اللہ ہی حافظ وناصر ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ ہمارے بزرگوں اور سلف صالحین نے دین فطرت کی حفاظت کے لئے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اور اب اسکی حفاظت کے لئے آپ پر بھی جسقدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے **یقیناً** اس کا احساس آپ حضرات کو ہوگا۔ لیکن تاحال ہماری صفوں میں مستحکم تنظیم نہ ہونے کے باعث دشمن کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس لئے آپ حضرات کے پاکیزہ اسلامی جذبہ سے نہایت ہی دردبھری اپیل کی جاتی ہے کہ خدا را، **مصطفےٰ** را، موجودہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر اپنے تمام تر اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور ملک وملت کی حفاظت کیلئے یک جان ہو جائیں اور اس ضمن میں مجاہدانہ اقدام فرماتے ہوئے ایک دفعہ پھر قرون اولیٰ کی شاندار مثال قائم کردیں۔

جس طرح دوسری قومی جماعتیں باہمی متحد ہو رہی ہیں، اسی طرح مذہبی جماعتیں باہمی متحدہ لائحہ عمل اولین فرصت میں مرتب کریں اور دین کی سربلندی کے لئے مجاہدانہ کوششیں شروع کر دیں تو انشاءاللہ تعالیٰ اس ہوشربا بھنور سے ملت کی کشتی صحیح وسلامت ساحل مراد تک پہنچ سکتی ہے۔ آپ کے اس مجاہدانہ عمل سے نہ صرف موجودہ مشکلات پہ بڑی آسانی کے ساتھ قابو پایا جا سکتا ہے۔ بلکہ ملت بیضا کی نشاۃ ثانیہ کا شاندار دور شروع ہو جائیگا۔

امید ہے تمام دینی حلقوں اور جماعتوں کے سربراہ حضرات اور مخلص رفقاء کار باہمی مخلصانہ تعاون سے اولین فرصت میں متحدہ عمل جاری کرنے میں سبقت فرمائیں گے۔ ملت کے پریشان حال عوام آپ کی راہنمائی اور عملی اقدام کا بڑی شدت کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔

از حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

تقویٰ اور اس کے درجات

اللہ اور رسولؐ کی جامع نصیحت

محترم المقام زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ جواب تاخیر سے دے رہا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ وجہ کثرت اسفار، ہجوم کار اور تشتت افکار ہے۔ اب بھی سفر میں ہوں۔ اور اورنگ آباد سے جواب ارسال کر رہا ہوں۔

آپ نے اس ناکارہ کے ساتھ اپنے غائبانہ تعلق کا اظہار فرمایا ہے۔ جس کی بنا محض حسن ظن ہے۔ جو آپ کے لئے عزیمت ہے۔ اور میرے لئے سعادت ہے۔ شرعاً حسن ظن کے لئے کسی حجت اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر صورت میں اپنے مسلم بھائی کے ساتھ واجب ہے۔ حجۃ طلبی صرف بدظنی پر ضروری ہے۔ سو آپ ایک ایسے واجب شرعی پر عمل فرما رہے ہیں۔ جو بے دلیل بھی واجب ہے۔ اور اسی کا نام عزیمت ہے۔ ادہر میرے لئے سعادت ہے کیونکہ مجھے بلا کسی عمل کے اور بغیر کچھ کئے دھرے آپ جیسا اولوالعزم خیر خواہ اور دعاگو میسر آگیا۔ سو اس سے بڑھ کر آدمی کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ حسن ظن آپ کے لئے خیر ہے۔ اور میرے لئے بھی خیر ہے۔ مگر اس دوہری خیر کا سبب آپ ہیں۔ اس لئے آپ ہی اس بارہ میں دعا اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ فجزاکم اللہ عنی خیر الجزاء وبارک اللہ فیکم ولکم وعلیکم۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کروں۔ سو میرے بھائی میں اس لائق کہاں کہ آپ جیسے اولوالعزم حضرات کے سامنے ناصح کی حیثیت سے آؤں۔ لیکن نصیحت بھی جبکہ اسلامی واجبات میں سے ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ارشاد ہے۔ "الدین النصح لکل مسلم" دین نام ہی نصیحت اور خیر خواہی کا ہے، ہر مسلمان کے لئے۔ اس لئے نصیحت سے روگردانی بھی نہیں کی جا سکتی۔ مگر جب کہ اپنی نااہلی اور آپ کے احوال سے ناواقفی کی بناء پر خود سے نصیحت

کے کسی گوشہ کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ تو آسان مرحلہ یہی نظر آیا کہ سلف ہی کی کوئی نصیحت نقل کر دوں تاکہ واجب بھی پورا ہو جائے۔ اور اپنی نا اہلی بھی ڈھکی مندی رہ جائے۔

سلف صالحین کی مبارک عادۃ یہ تھی کہ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو رخصت ہونے والا کسی نصیحت کی فرمائش کیا کرتا تھا۔ اور اس پر عموماً نصیحت یہ کی جاتی تھی کہ اوصیکم بتقوی اللہ۔ میں تمہیں تقوی کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور احتیاط کے ساتھ اپنا بچاؤ کرتے رہو۔ یہ اتنی ہمہ گیر نصیحت ہوتی تھی۔ کہ غور کیا جائے۔ تو اس نصیحت کے دائرہ میں سارا دین آجاتا ہے۔ کیونکہ تقوی کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اسلام کو مضبوط تھام کر کفر و شرک سے بچتا رہے۔ اس سے اگلا مقام یہ ہے۔ اسلام کے ساتھ اخلاص کو سنبھال کر نفاق سے مجتنب رہے۔ اور اس کے بعد تقوی کا اگلا مرتبہ یہ ہے کہ اسلام و اخلاص کے ساتھ اتباع سنت کو تھام کر بدعات و محدثات سے گریزاں رہے۔ اس کے بعد تقوی کا مقام یہ ہے کہ صلاح و رشد کو سنبھال کر فسق و فجور اور معاصی سے بچتا رہے۔ پھر اس کے بعد کا تقوی یہ ہے کہ ضروریات دین کے دائرہ میں رہ کر لایعنی اور فضولیات سے محترز رہے۔ جیسے فضول طعام، فضول لباس فضول کلام وغیرہ۔ اور اس کے بعد کا مقام یہ ہے کہ کارآمد اور نافع امور کے دائرہ میں محدود رہ کر لایعنی اور عبث باتوں سے گریزاں رہے۔ اب آپ سلف صالحین کی فراست و ذکاوۃ اور عزیمت و ہمت اور علم و درایت کا اندازہ کریں کہ ایک مختصر سا لفظ تقوی کا اختیار دین کے سارے راستے ہی نہیں کھول دیتے۔ بلکہ ایک جملہ سے سارے دین کی نصیحت فرما دی۔ ایسی جامع نصیحت کے ہوتے ہوئے پھر ہمارا منہ کیا رہ جاتا ہے۔ کہ ہم اپنی طرف سے کسی نصیحت کا انتخاب کریں اور کریں گے، تو وہ ناتمام ہی ہوگی۔ اس جامعیت کی حامل نہ ہوگی۔ اس لئے نصیحت کی بجائے نقل نصیحت سے آپ کے ایماء کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے جہل کا پردہ بھی ڈھکا رہ جاتا ہے۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ اسی کے ساتھ اس میں ایک اضافہ اور کیجئے کہ اس جامع ترین حقیقت یعنی تقوی کی امنگ پیدا کرنے کا طریقہ صحبت صلحاء اور معیت اہل اللہ ہے۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند کہ اس کے بغیر تقوی کی حقیقت جو علمی مقام ہے۔ اور تقوی پہ گامزنی جو عملی مقام ہے۔ سامنے نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اس کے گوشے واشگاف ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس لئے جہاں بنی آدم کو تقوی کا امر کیا ہے۔ وہیں صحبت صلحاء کا حکم قطعی بھی دیا ہے۔ اور فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّٰدقین۔ اے ایمان والو تقوی اختیار کرو (اللہ سے

ڈرتے رہو) اور سچوں کی معیت اختیار کرو۔ معیت سبب ہے، اور تقویٰ اس کا نتیجہ ہے۔ اس لئے یہ نصیحت سلف صالحین کی منقبت ہونے کے ساتھ قرآنی ہدایت بھی ثابت ہوتی ہے۔ سو جب قرآن نصیحت کرے اور اہل قرآن اس کے عمل درآمد کا راستہ بتلا دیں۔ تو آگے نصیحت اور کیا رہ جاتی ہے، جو کی جائے۔

اس نصیحت کا تعلق حقیقتاً قلب اور باطن سے ہے۔ گو انجام کار اس کا ظہور قالب پر ہوتا ہے۔ لیکن ایک اور نصیحت خالص عملی ہے۔ جس کا سرچشمہ قلب اور باطن ہے۔ اور وہ نصیحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ اوصینی یارسول اللہ واوجز۔ (یارسول اللہ کوئی نصیحت فرمائیے مگر مختصر۔) فرمایا: صَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ۔ ہر نماز اس طرح پڑھ کہ جیسے تجھے دنیا سے رخصت کیا جا رہا ہے۔ اور یہ نماز شاید آخری نماز ہے۔ کہ اس کے بعد نماز کا موقع نہ مل سکے گا۔ ظاہر ہے کہ جب ہر نماز کو آدمی آخری نماز سمجھ کر پڑھے گا۔ تو کس درجہ خشوع و خضوع اور حضور قلب کے ساتھ پڑھے گا۔ کہ ساری ہمت باطن اسی میں صرف کر دیگا۔ اور جب ہر نماز ایسی ہی کمال خضوع اور تکمیل آداب و شرائط صلوٰۃ کے ساتھ ہوگی۔ تو اس کی ساری عمر کس درجہ تقویٰ و طہارت، ہمت و عزیمت اور طاعت و قربت لئے ہوتی ہوگی۔؟

ظاہر ہے کہ نماز سے بڑھ کر تعلق مع اللہ کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ اور زندگی کی پاکیزگی کا تقویٰ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک کی ہدایت اللہ نے کی اور ایک کی وصیت رسول اللہ نے کی۔ اب آگے کسی کی نصیحت کا مقام ہی کیا رہ جاتا ہے۔ کہ کوئی ناصح بن کر آپ کے سامنے آئے۔ اس لئے میں نے آیت۔ روایت اور سلف کی روایت سے یہ تین باتیں عرض کر دی ہیں۔ انہی کو آپ میری نصیحت بھی شمار فرمائیں گے۔ تو یہ وہی آپ کے حسن ظن کا کرشمہ ہوگا۔ جس کے لئے آپ ہی ستائش و تبریک اور دعا کے مستحق ہوں گے۔ ان کلمات کے ساتھ آپ سے اپنے حق میں دعا کی التجا پر اس نامۂ پریشان کو ختم کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام ۔۔۔

ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب ادارۃ الحق

کامیاب و بامراد زندگی

یہ تقریر ایک مخلص اور صالح شخص کے جنازہ پہ کی گئی

(خطبہ مسنونہ کے بعد) محترم بزرگو! ایک انسان وہ ہے جس کی زندگی اپنے فائدہ کیلئے ہو ہر شخص اپنا گھر بناتا ہے، جائداد بناتا ہے۔ اپنی ذات کی ترقی اور بقاء کے لئے کوشش کرتا ہے۔ ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنے کنبہ اور برادری کا خیال رکھتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ احسان اور ہمدردی غیروں سے بھی موجب اجر و ثواب ہے مگر رشتہ داروں کے ساتھ دو اجر اور دو ثواب ہیں تو بعض افراد اپنے کنبہ اور خاندان کے مفاد کو ڈھونڈتے ہیں۔ اور ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو کل مخلوق اور تمام مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا ہے یہ بہت اونچا مقام ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ الخلق عیال اللہ فی الارض فاحبھم الی اللہ احسنھم الی عیالہ۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے پس اللہ کو وہ شخص زیادہ پسند ہے۔ جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا ہو۔

یہ ساری مخلوق اللہ کے ہاتھ کی صناعی اور کاریگری ہے۔ اور اگر کسی سے ہمیں مجازی محبت بھی ہو تو اس کے ایک ایک خط اور ایک دستخط سے بھی محبت کی جاتی ہے کہ دوست کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ مخلوق بھی اللہ کی دستکاری ہے۔ یہ وجود اللہ نے دیا۔ یہ آنکھیں ناک کان ہاتھ پاؤں یہ ساری نعمتیں کس نے پیدا کیں۔ ؟ کسی سائنسدان نے اب تک اس کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ یہ سب اللہ کے ہاتھ کی صنعت ہے۔ اس نے اپنے ید قدرت سے یہ سب کچھ بنایا۔ تو جو اللہ سے محبت کرے گا، ضرور اس کو مخلوق سے بھی محبت ہو گی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارادہ کیا بد دعا کا کہ یا اللہ عرصہ دراز تک وعظ و نصیحت کارگر نہ ہو سکی اگر یہ لوگ تباہ ہو جائیں تو بہتر ہو گا۔ قربان جاؤں اللہ کی رحمت سے کہ جواب میں فرمایا کہ

فلاں کمہار نے برتنوں کی بھٹی تیار کی ہے، تم جاکر ایک پتھر اٹھاؤ اور کمہار سے برتنوں کی بھٹی پر دے مارنے کی اجازت مانگ لو، حضرت نوح نے آکر کمہار سے اپنے اس شوق کا اظہار کیا اس نے حیرت ظاہر کی کہ اپنے ہاتھ سے مٹی آج کی پھر صاف کرائی کتنی محنتوں سے یہ برتن تیار ہوئے، اب میں تجھے کیسے اجازت دوں خواہ دس لاکھ روپیہ بھی ملیں مگر اس محنت کی اسطرح بربادی پر میرا دل کیسے آمادہ ہوسکتا ہے کوئی تجھے اجازت نہ دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مخلوق تو میں نے اپنے ید قدرت سے پیدا کی ہے۔ تجھے کیسے اس کی بربادی کی اجازت دوں۔ جب وقت مقرر آیا اور بندا نے خود چاہا تو عذاب آگیا۔

——— تو اللہ کی نظر میں وہ محبوب ہے جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک بمنزلہ عیال ہے۔ تو جب جان ومال، اولاد سب کچھ نہ اپنا نہ قوم نہ کنبے کا بلکہ اسلام اور تمام مسلمانوں کے لئے ہوجائے تو ایسا شخص بامراد اور کامیاب زندگی والا ہے۔ پھر ایسے شخص کی جدائی کا صدمہ بھی کسی ایک کا نہیں بلکہ سب کا صدمہ ہوتا ہے۔ ایسے شخص پر صرف اپنوں کی آنکھیں نہیں روتیں، بلکہ وہ جگہ جہاں وہ نماز پڑھتا تھا تہجد پڑھتا تھا، اشراق پڑھتا تھا۔ تلاوت کرتا تھا وہ سب مقامات اس کی جدائی پر روتے ہیں۔ نہ صرف زمین بلکہ آسمان کے وہ دروازے بھی جن سے اس کے اعمال صالحہ اوپر جاتے ہیں وہ بھی گریہ کناں ہوتے ہیں۔ کہ اس شخص کے اعمال خیر اب کیوں نہیں آتے، بند کیوں ہوگئے۔ کفار کے بارہ میں آتا ہے کہ ان کی تباہی پر نہ آسمان روتے ہیں نہ زمین ——— فما بکت علیہم السماء والارض ——— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ اور عباد صالحین کی جدائی پر سب روتے ہیں۔

بھائیو! کامیاب زندگی یہی ہے کہ مقصد کو پہچان کر زندگی گذار دی جائے اور رب العزت کی قسم زندگی کا مقصد صرف عبادت اور ہر وقت اسے اللہ کی تابعداری میں گذارنا ہے۔ زندگی تو ختم اور فانی ہونے والی چیز ہے۔ ہم اور آپ سب جائیں گے۔ کوئی کسی میت کے ساتھ قبر میں دفنایا نہیں جاتا دفن بھی ہوجائے تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ سب کچھ یہاں رہ جائے گا۔

ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق۔ یہ صحت جائداد جوانی، علم، مال و دولت، خویش و اقارب سب کچھ یہاں رہ جائے گا۔ وما عند اللہ باق۔ اور اللہ کے خزانہ میں جو اعمال و افعال، اقوال جمع کرائے اور روابط پیدا کئے وہی کام آئیں گے۔ قبر میں۔ دائیں جانب نماز چوکیدار بن کر کھڑی ہوجائے گی سر ہانے قرآن مجید آجائے گا۔ بائیں جانب روزہ ہوگا۔ اور قدموں کی جانب

تہجد یا صدقہ آجائے گا۔ اور یہ ایسا ہے کہ کسی کو پولیس گرفتار کرنا چاہے اور کسی وقت اس کو خدمات کے تمغے اور سرٹیفکیٹ ملے ہوں تو آسے دیکھ کر پولیس معذرت خواہ ہوجاتی ہے کہ میرے پاس تو ایسا پروانہ ہے بادشاہ کا اسی طرح قرآن خدا کا پروانہ ہے۔ قبر ہر روز صدا دیتی ہے کہ انا بیت الغربۃ میں وحشت اور تنہائی کا گھر ہوں۔ انا بیت الظلمۃ۔ میں اندھیروں کی جگہ ہوں۔ انا بیت الدود۔ میں کیڑے مکوڑوں کی جگہ ہوں تم اپنے گھر میں بستر اور روشنی کا انتظام کرتے ہو، میں مٹی کا گھر ہوں یہاں نہ بستر ہے نہ روشنی۔ یہاں کے لئے بھی بستر لاؤ قبر کو روشن کرنے کا سامان لاؤ۔ اور کامیاب زندگی والا ہر وقت موت کیلئے تیار رہتا ہے۔ اس نے وہاں کے لئے اسباب وسامان کا انتظام کیا ہوتا ہے حضرت بلالؓ بیمار ہیں، آخری وقت اپنے پرائے روتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ کیوں روتے ہو، ہنسو خوشی مناؤ، غم مت کرو، میں تو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دوستوں سے ملنے والا ہوں ؎

غداً القی الاحبۃ محمداً و حزبہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگی۔

قبر کی منزل میں پوچھا جاتا ہے کہ من ربک تیرا رب یعنی پالنے والا کون ہے۔ ملازمت، تجارت، زراعت نے تیری پرورش کی یا رب نے۔؟ تو جو کچھ کر رہا تھا دنیا میں، کہیں خدا کی ذات کو تو پس پشت نہیں ڈالا۔؟ رزاق اپنے کاروبار کو بنا لیا تھا۔ تو رب کو کیسے رازق کہتے تھے۔؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان چیزوں کیلئے نماز، اور عبادت نہ چھوڑتے۔ تو وہاں قبر میں چالاکی اور جھوٹ نہیں چلے گا صاف کہہ دیا جائے گا کہ فلاں کام، معاش اور صنعت کو تو نے رب سمجھا تھا۔

کتابوں میں آتا ہے کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ارواحنا کا چہرہ انور سامنے کر دیا جائے گا۔ اور پوچھا جائے گا کہ اس ہستی کے بارہ میں کیا کہتے ہو۔؟ علماء نے اس کی کئی توجیہ کی ہیں ایک رائے یہ ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کے لئے اس وحشت وظلمت کی منزل قبر میں اس سے بڑی نعمت دوسری نہیں ہوسکتی جس سے انہیں سکون اور انس حاصل ہوجائے۔ ایسے عالم میں حضورؐ کا دیدار کرا کر اس سے دنیا کا سب کچھ بھلا دیا جائے گا۔

بھائیو! ہمارے دلوں میں وہ عشق نہیں جو چاہئے۔ اگر آج بھی ہمیں کہا جائے کہ اس دیوار یا پہاڑ کے پیچھے تمہیں حضورؐ کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ تو اس کے بدلے ہزار جان ومال اور سب کچھ قربان کرنے کے لئے حضورؐ کا ادنیٰ امتی تیار ہوجائے گا۔ تو جب قبر میں حضور انورؐ کا دیدار ہوتا ہوگا تو کتنی تسلی اور سکون مل جاتا ہوگا۔ اب جو بدبخت ہوں گے حضورؐ سے اپنا تعلق قائم نہیں کریں

گے، اپنا رشتہ کاٹ لیں گے تو وہ کب صحیح جواب دے سکیں گے۔ اور جن کی صورت وسیرت علیہ سب کچھ حضورؐ کی سنت کے خلاف ہوگا تو حضورؐ اسے دیکھ کر کتنے خفا ہوں گے۔ بہت سے بدقسمت ہیں کہ مرتے دم تک اور مرنے سے ذرا پہلے بھی اپنی ڈاڑھی منڈوا دیتے ہیں، شیو کرتے ہیں۔ اور پورا حلیہ سنت کے خلاف لیکر قبر میں پہنچتے ہیں۔ ایسے لوگ حضورؐ کا سامنا کیسے کریں گے۔ نہ صورت سنت کے مطابق نہ لباس نہ عادات واطوار نہ اعمال وافعال۔

الغرض حضورؐ کی زیارت سے ساری وحشت اور پریشانی دور ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی سے سنا کہ "یا اللہ" اتنا لطف آیا کہ دوبارہ اسے اللہ کا نام بلند کرنے کا کہا۔ اس نے کہا جان ومال اور ساری متاع نذرانہ میں پیش کر دو تب کہوں گا۔ فرمایا سب قبول ہے۔ مگر ایک بار پھر اللہ کا نام لو ــــ بہر حال جس نے عالم آخرت کی تیاری کی وہ بامراد اور کامیاب ہے۔ ہر وقت اللہ سے طلب مغفرت ضروری ہے۔ دنیا تو مصیبتوں کی جگہ ہے ہم طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا رہتے ہیں اور اس کے کچھ اسباب ظاہری ہوتے ہیں، کچھ حقیقی، رحم مادر میں ہماری زندگی تکالیف اور آلام سے خالی تھی۔ تو اس لئے کہ اس سے پہلے اور وہاں گناہوں کا صدور نہیں ہوتا تھا۔ حسن بصریؒ کو لوگ تکالیف کی شکایت لے کر آتے، فرمایا استغفار کرو کہ اے اللہ میں ساری حق تلفیوں کا قصوروار ہوں۔ آنکھوں سے آنسو بہانا دل میں اپنے کو گناہ پر نادم سمجھنا اور آئندہ کے لئے قصد کرنا کہ اگلی زندگی پچھلی نافرمانیوں جیسی نہ ہوگی۔

استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اسے استغفار کہتے ہیں۔ دوسرے نے حسن بصریؒ کے پاس آکر کہا اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اسے بھی استغفار کرنے کا حکم دیا۔ تیسرا آیا، فقر وفاقہ کی شکایت کی اسے بھی یہی فرمایا، چوتھا آیا اور زمین و باغات کی بربادی اور خشک سالی کی شکایت کی اسے بھی کہا کہ استغفار پڑھو۔ گویا چار مریض آئے اور سب کو ایک ہی نسخہ بتلا دیا۔ کسی نے پوچھا کہ سب کو استغفار بتایا۔ حسن بصریؒ نے آیت تلاوت کی کہ: استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم انھرا۔

تو استغفار کا جتنا ورد ہو سکے کیا کرو۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کپڑے کو صابن اور مسالون سے دھو لیا جائے۔ اس طرح قلب زنگ آلود ہوتا ہے۔ تو اسکی جلاء اور صفائی استغفار سے ہوتی ہے۔ اللہ کے سامنے اظہار ندامت وشرمندگی سے گریز کرنا تو ابلیس کا شیوہ ہے وہ فرشتوں کے زمرہ میں شمار تھا۔ مگر ایک بات نہ ماننے سے مردود ہوا۔ ہم کتنے بیشمار کام نافرمانی

کے کرتے ہیں۔ ابلیس ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون ہوا۔ ہم ہر روز پانچ نمازوں کی ہر رکعت کے دو دو سجدوں سے بے پرواہی برتتے ہیں۔ پھر اللہ کی ناراضگی کتنی ہوگی۔؟ ابلیس نے اللہ کے حکم میں عقل کا دخل دیا کہ یہ حکم آپ کا فٹ نہیں، جیسے کہ آج کل کے روشن خیال کہتے ہیں کہ یہ تو عقل کے خلاف ہے اس کی حکمت و فلسفہ سمجھ میں نہیں آتا ——

تو ابلیس نے غرور کیا، ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ سے ایک بات سرزد ہوئی مگر رونے لگے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین —— اللہ کو عاجزی پسند ہے۔ تو رجوع بالرحمۃ ہوئی اور سب کچھ معاف کر دیا۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اے بندے تیرے گناہ اگر آسمان تک بھی پہنچ جائیں مگر دل میں ندامت ہوئی، اشک ندامت بہائے تو وہ سب بخش دیتا ہوں۔ تو استغفار بڑی چیز ہے۔ شیطان مردود ہوا، تو بجائے استغفار کے چیلنج دیا کہ اس انسان کی وجہ سے مجھے مردود کیا۔ تو اب ہر طرح اسے گمراہ کروں گا۔ ثم لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شاکرین۔ چوطرفہ اس پر حملہ کروں گا۔ آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اور اسے نافرمانی میں مبتلا کروں گا۔ مختلف طور پر اسباب گمراہی کے مہیا کروں گا۔ اس آیت میں چاروں طرف کا ذکر تو ہے مگر اوپر سے بمباری کا نہ کہا کہ لاٰتینھم من فوقھم۔ اس لئے کہ اوپر کا راستہ رحمت خداوندی کیلئے کھلا ہے۔ جیسا کہ افلاطون نے حضرت موسیٰؑ سے سوال کیا کہ آسمان بچہ چاروں طرف سے محیط ہے اگر یہ کمان بن جائے اور تیر انداز اللہ ہو جو ہر طرف سے آفات و شدائد کے تیر برسائے تو بچنے کی صورت کیا ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے فوراً کہا کہ تیر چلانے والے کے دامن میں آجاؤ۔ چاند ماری کرنے والے کی بغل میں کھڑے ہو جائیں تو زد میں نہیں آؤ گے۔ گویا کہا کہ اس کا دامن پکڑو تو بچ جاؤ گے۔

تو بھائیو! ابلیس نے جب اتنا بڑا دعویٰ کیا۔ تو اللہ نے جواب میں فرمایا: لا ازال اغفرھم ما استغفروا۔ تو جو بھی کرے میں اپنے بندوں کو بخشتا رہوں گا۔ بشرطیکہ وہ بخشش کے طلبگار ہوں۔ ہزاروں ماں باپ، حاکم، استاد، بادشاہ، بہن بھائی کی شفقت ایک طرف۔ سب اللہ کی شفقت پر قربان ہوں۔ انسان سے جتنے گناہ بھی بمقتضائے بشریت سرزد کیوں نہ ہوں مگر رونے احساس گناہ کی وجہ سے، تو یہ بھی غنیمت ہے، اللہ معاف کر دیتا ہے۔ مگر آج تو گناہ کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے۔ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا یہ بھی شیطان کی چال ہے۔ اس نے سوچا کہ میں اسے

گناہوں سے برباد کرتا ہوں۔ تو یہ مجھے کلمۂ شہادت اور استغفار سے ہلاک کرتا ہے۔ تو میں اسے خواہشات میں مبتلا کر دوں گا کہ جو جی چاہے وہ کرے اسے خواہش کہتے ہیں، جس میں بہت سے کام گناہ ہوتے ہیں، مگر یہ پھر بھی اسے خواہش سمجھتا ہے۔ گناہ نہیں سمجھتا اور ہلاکت کے گڑھے میں چلا جاتا ہے۔ بہرحال اس وقت بھی شدائد اور پریشانیوں کا علاج خدا کی طرف رجوع میں ہے قوم یونس کو عذاب خداوندی محسوس ہو گیا۔ نشانات نظر آئے تو ساری قوم باہر نکل آئی، گڑگڑا کر رونے لگی عذاب خداوندی ٹل گیا تو اللہ کو عذاب لانا اور پھر ہٹا دینا بھی آسان ہے۔ فرماتے ہیں، مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم۔ اسے تمہیں عذاب میں ڈالنے سے کیا کام بشرطیکہ تم مومن اور شکر گذار بن جاؤ۔ اس کی نعمتوں کا کچھ تو شکر ادا کرو۔ حضورؐ نے فرمایا، لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔ خواہش جو بھی ہو اس کے بارہ میں حضورؐ کی شریعت سے پوچھنا ہوگا۔ رمضان شریف میں پیاسے پی سکتا ہوں، روٹی کھا سکتا ہوں بھوک لگی ہے۔ سب کچھ موجود ہے مگر خواہش پر پابندی ہے۔ شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اسی طرح احتیاج ہے، ضرورت ہے مگر پرایا مال ہے اس لئے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ خواہش کو شریعت کے تابع نہ بنایئے تو ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ ابن المنتفق صحابیؓ ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کا ذکر سنا، ملنے کی تمنا تھی، حج پہ گیا اس لئے کہ حضورؐ تشریف لے گئے تھے۔ منیٰ میں تلاش کیا مگر حضورؐ کو نہ دیکھ سکا۔ لوگوں نے کہا عرفات میں دیکھ سکو گے۔ وہاں لوگ ارد گرد جمع تھے دھکم پیل میں پہنچا کسی نے ٹوکا کہ ادب سے کام لو حضورؐ موجود ہیں کہ یہاں تو رفع صوت بھی حبطِ اعمال کا سبب ہے۔ حضورؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ اعراب میں سے ہے۔ چھوڑ دو اسے کہ آ جائے، آکر حضورؐ سے پوچھا کہ جنت کیسے ملے گی اور جہنم سے کیسے بچوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا دیہاتی عقلمند ہے، سوال مختصر ہے مگر بہت گہرا ہے۔ فرمایا:

۱۔ شرک مت کرو کہ سب کچھ اس عالم میں اللہ کی طرف سے ہے۔ اعبد واللہ ولا تشرک اس کی ذات، افعال، اعمال، کمالات میں کوئی شریک نہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ فرمائی۔ اقم الصلوٰۃ نماز کسی وقت معاف نہیں ہوتی۔ بیٹھ کر پڑھ لو، نہ پڑھ سکو تو اشارہ سے پڑھ لو۔ اس کی معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بیماری بھی ہو تب بھی اس کی بیشمار نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو۔ اب اگر مالک کا در چھوڑ دو تو کہاں جاؤ گے۔ نماز تو اللہ کے در پر حاضری اور سلامی ہے۔ قلب اور قالب دونوں سے عاجزی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع ہے۔ اس

پہ مال و دولت خرچ نہیں ہوتا پھر یہ بھی نہ کرسکو تو دعویٰ ایمانی کیسے کرتے ہو۔ ؟

۳۔ تیسری چیز زکوٰۃ یعنی مال سے حق اللہ کی ادائیگی کی تاکید کی۔

۴۔ چوتھی بات یہ فرمائی: ان تحب لاخیک ما تحب لنفسک۔ جو اپنے لئے پسند کرو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو۔ دوسروں کو ضرر پہنچانے کی خواہش مسلمانی نہیں۔ دوسروں کو برا کہو تو خود اپنی حالت پہ بھی سوچا کرو۔

اب چند باتیں ہمارے ذمہ ہیں۔ ۱۔ کلمہ شہادت اور الحمدللہ کہ سب مومن ہیں پڑھتے ہیں۔ ۲۔ نماز جو سب پہ فرض ہے اس میں مالدار اور غیر مالدار کا فرق نہیں۔ ۳۔ زکوٰۃ جو صرف مالداروں اور صاحب نصاب پر ہے۔ اور جو زکوٰۃ بھی نہ دے سکیں تو کم از کم نماز اور چوتھی بات کا تو پورا لحاظ رکھیں۔ اور وہ یہ کہ دل کا آئینہ تمام مسلمانوں کے لئے صاف رکھے محبت سے لبریز رکھے، دوسروں سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ اپنی بھلائی ہے۔ واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ یہ تو اللہ نے اپنی مدد فرمانے کا راستہ بتلا دیا۔ اور اگر تم دوسروں کی بیخ کنی میں لگے تو خدا تیری بھی کر دے گا۔ دوسروں کی عیب جوئی کرو تو خدا تمہارے عیوب کھول دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعمال صالحہ اور اپنی زندگی کو رضائے مولیٰ کے حصول کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

مشہور نو مسلم انگریز محمد مارماڈیوک پکتھال
کے قلم سے

تہذیبِ جدید نے مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں ایک ابتری پیدا کر دی ہے وہ اس تہذیب سے اس لئے گریزاں ہیں کہ وہ اسے قربانی و ایثار کی بجائے حرص و طمع اور سود خواری کا ایک مظہر سمجھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اس سے علیحدہ رہ کر اپنی راہِ نجات تلاش کریں۔ آج اکثر کاموں اور پیشوں کے لئے انہیں کوئی مذہبی جواز نظر نہیں آتا۔ تجارت آج ایک گلوتراش مقابلہ اور دروغ بافی کا کاروبار بن کر رہ گئی ہے۔ قانون محض حیلہ بن کر رہ گیا ہے۔ سائنس کو خود غرضی اور ہلاکت آفرینی کا آلہ بنا لیا گیا ہے۔ الغرض قرآن حکیم کے الفاظ میں:

إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ ۔ انسان باغی ہے اور وہ اپنے آپ کو آزاد و مختار سمجھتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے لئے زندگی کے میدان سے یوں کنارہ کشی کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ ان نامساعد حالات کے خلاف میدانِ عمل میں سینہ سپر ہو جائیں کیونکہ اسلام کی غایت الغایات ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی حلقہ بگوشی میں لے آنا ہے۔ جہاد کے تصور اور عمل اور مسائل حاضرہ میں تطابق پیدا کرنا وقت کی ضرورت ہے اور ایسا محض اسلامی ادارات و شعائر کے احیائے جدید ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

اگر موجودہ سوسائٹی کی بنا سود ہے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ آج ایک ایسا معاشرہ قائم کر دکھائیں جس میں سود ناپید ہو۔ اگر قانونِ شریعت آج محض حیلہ سازی کا نام رہ گیا ہے۔ تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ قانونِ شریعت کو دوبارہ استوار کریں۔ اور کم از کم اپنے معاشرہ میں قانونِ شریعت ہی کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کر کے اسے دین و دنیا کی کامرانیوں کا ذریعہ جانیں۔ اگر موجودہ نظام بنیک کاری مسلمانوں

کی نظر میں سود پر مبنی ہے تو ایک اسلامی نظام بینک کاری قائم کرنا چاہیئے جس کی بنیاد سود خواری نہیں، اخوت پر ۔ انہیں زکوٰۃ اور بیت المال دوبارہ قائم کرنے چاہیئیں۔ اگر موجودہ تجارتی طریقے مسلمانوں کے نزدیک مذموم ہیں تو انہیں اپنی تجارت امداد باہمی کے اصول پر استوار کر لینی چاہیئے۔

اگر موجودہ صنعتی نظام ان کی نظر میں ایک خود غرضانہ ظلم ہے۔ تو انہیں چاہیئے قانون شریعت کی مطابقت میں ایک جداگانہ صنعتی نظام قائم کر دکھائیں۔ مسلمانوں کے لئے تہذیب جدید میں ختم ہو جانا خودکشی سے کم نہ ہوگا، کیونکہ اس کے معنے تہذیب جدید کے تمام عیوب کو قبول کر لینا ہوں گے ایسا کر لینے کے بعد مسلمان کبھی بھی اس دنیا میں نیکی کے لئے ایک قوت یا سہارا ثابت نہ ہوسکیں گے۔ لیکن ان کے لئے اس تہذیب سے اس کے علوم وفنون اور اس کی کارگذاری سے یکسر بیگانگی بھی خودکشی سے کچھ کم نہ ہوگی۔ مسلمان پدرم سلطان بود کے نشانوں اور ترانوں پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسا کرنے سے وہ اسلام سے اسی طرح محروم رہ جائیں گے جس طرح ایک غیر اسلامی تہذیب کو کلیتۃً اپنا لینے سے عہد حاضر کے مسلمانوں کے لئے تعلیم جدید کا اس غرض سے حاصل کرنا کہ وہ عصر جدید کے نشیب و فراز سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں، ان کے لئے جہاد الاکبر کا مرتبہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اچھائی کو پہچانیں اور اپنالیں اور ہر برائی کے استیصال کے لئے کمربستہ رہیں تاکہ کوئی بہتر چیز اس کی جگہ مناسب وقت پر نافذ کی جاسکے۔ دنیا آج ہلاکت کے گڑھے پر کھڑی ہے۔ اور مسلمان ہی اسے بچا سکتے ہیں۔ کیونکہ تہذیب کا معیار صرف ان ہی کے پاس ہے اور صرف وہی ایک متبادل کامل نظام تہذیب قائم کر کے دکھا سکتے ہیں۔ جس کے لئے ان کے پاس خدائی سند موجود ہے اور وہ نظام ایک محیر العقول کامیابی کے ساتھ گذشتہ زمانے میں زیر عمل رہ چکا ہے۔ اسلام ہی وہ نظام ہے جو ہر عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور مستقبل میں کامرانی کا ضامن ہوسکتا ہے۔

یورپ کے انقلابی نظامات کے متعلق جو زیر عمل رہ چکے ہیں، ایسا نہیں کہا جاسکتا۔ وہ تمام نظامات انسانی مسرتوں میں ذرہ برابر اضافہ کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ لیکن یہ امر خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ دوسری اقوام کے خلاف اپنی ملت کی کامرانی و کامیابی کی کوشش بلالحاظ اس امر کے کہ ہم راہ صواب پر ہیں یا جادہ ناصواب پر جہاد نہیں کہلا سکتی۔ جہاد تو حق کی خاطر باطل کے خلاف جہاں کہیں اور جس صورت میں اس کا موقعہ پیدا ہو ایک جنگ ہے۔ اگر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جہاد کے اس تخیل کا سراغ تاریخ اسلام میں نہیں ملتا۔ تو خدا آپ کو راہ راست نصیب کرے۔ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس نے مشرق کی رومی سلطنت سے جو معاملات کئے، ان کا مطالعہ فرمایئے۔ ہسپانیہ کے اموی

خلفائے مغرب کی مسیحی سلطنت سے جو سلوک روا رکھا اس کا تذکرہ پڑھئے تو آپ پر روشن ہو جائیگا کہ ان کا نصب العین باطل کے خلاف حق کی حمایت کا ہی جذبہ تھا۔ سلطان سلیمان کا خط بشاہ فرانس کے نام دیکھئے جو اس وقت لکھا گیا جب وہ ایک قیدی تھا اور اپنی تمام دولت سے بے جا طور پر محروم کر دیا گیا تھا۔ تو آپ کو یہ اصول اور اس کی حمایت میں سعی پیہم کی درخشاں مثالیں نظر آئیں گی۔ مسلمان کا منشار اس دنیا میں اپنی نہیں خدا کی بادشاہت اور شریعت کی فرمانروائی کا استوار کرنا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی بنار ایسے قوانین فطرت ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہیں اور جن کی عالمگیری مسلّم ہے۔ کسی ادنیٰ اور پست مقصد کے لئے ان کا استعمال ان کی غلط توجیہہ ہی نہیں ہلاکت اور نامرادی کا راستہ ہے۔ بنی نوع انسان کی بہتری و برتری کے وسیع تر منشا کی عدم موجودگی میں کوئی سعی جہاد کے مرتبہ رفیع کو پہنچنے کی حقدار نہیں۔

مسلمان کی تقدیر پرستی جس کے متعلق اس قدر ہنگامہ بپا کیا جاتا ہے۔ ایک ایسی ناگزیر حالت یا کیفیت ہے جس کا اعتراف خواہی نخواہی کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں پوری خندہ پیشانی سے اس امر کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہماری موجودہ حالت منشائے ربانی کے ماتحت ہم پر مسلط کر دی گئی ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مسلمان کا جہاد ہمیشہ کی طرح اب بھی بدی کے خلاف نیکی کے لئے ایک جدوجہد کی صورت میں جاری رہنا چاہئے۔ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ پہلے تو ہم اسلامی برادری کی بنیادیں عہد حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نئے سرے سے استوار کریں۔ اس کے بعد مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اپنے نیک اعمال سے دنیا کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا احساس بیدار کریں۔

حضرت عثمان غنی رضؓ

- جنت کے اندر رونا عجیب ہے اور دنیا کے اندر ہنسنا عجیب تر ہے۔
- علم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے اور عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں بخشتا۔
- دنیائے فانی کی لذتیں لینے سے عالم باقی کے اجر و ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔
- تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بری گفتار کا روح پر۔
- قضا پر رضا دنیا کی جنت ہے۔
- نعمت کا بے مناسب جگہ خرچ کیا جانا ناشکری ہے۔
- حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔
- گناہ کسی نہ کسی صورت سے دل کو بے قرار رکھتا ہے۔

سامراج نوازی اور ملت فروشی کی جھلکیاں

اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام پر یورپی سامراج دنیا کے بیشتر حصوں پر اپنے نوآبادیاتی عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اس سامراجی طاقتوں میں برطانیہ پیش پیش تھا۔ اطالوی، فرانسیسی، اور پرتگالی برّاعظم افریقہ کو اطالوی سومالی لینڈ، فرانسیسی سومالی لینڈ، پرتگالی مشرقی افریقہ، جرمنی مشرقی افریقہ اور برطانوی مشرقی افریقہ میں منقسم کرنے کے بعد مشرق وسطیٰ کے بعض علاقوں میں سامراجی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ اٹلی نے اریٹیریا، فرانس نے جزیرہ مڈگاسکر اور برطانیہ نے رہوڈیشیا اور یوگنڈا کو نوآبادیوں میں تقسیم کر دیا۔ نام نہاد خود مختار علاقوں میں یونین آف ساؤتھ افریقہ کے علاوہ مصر، حبشہ اور لائبیریا کا شمار ہوتا تھا۔ یورپی سامراج نے اس زمانے میں ہندوستان، برما اور لنکا کو زیر نگیں لانے کے لئے کشمکش کا آغاز کر دیا تھا۔ اور بحر ہند کو اپنی استعماری سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا۔ مشرقی ساحل پر ملائی ریاستوں میں سنگاپور ایک اہم بحری اڈہ تھا جس کو بنیاد بنا کر بحر ہند، بحرالکاہل، ڈچ ایسٹ انڈیز اور جنوبی آسٹریلیشیا کو جدا جدا کیا جا سکتا تھا۔ استعماری طاقتوں کو اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل میں اس وقت زیادہ آسانی ہو گئی جب ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کی تعمیر کا مرحلہ اختتام پذیر ہوا۔ اس کی وجہ سے راس امید کا لمبا چکر لگانے کی بجائے بحیرہ قلزم اور بحیرہ احمر کا آسان راستہ اختیار کیا جانے لگا۔ ۱۸۷۸ء تک برطانیہ جبرالٹر اور مالٹا کو زیر اثر لا کر قبرص پر تسلط جما چکا تھا۔ عدن ۱۸۳۹ء میں محکم بنایا جا چکا تھا۔ اب پورے جنوب مغربی ایشیا پر قبضہ کرنا باقی تھا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز ہی سے یورپی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف اسلامی ممالک میں تجدید و اصلاحِ دین کی تحریکیں اٹھیں جن کی بازگشت بیسویں صدی کے اوائل تک سنائی دیتی رہی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ مکتب فکر کی تحریک نے مسلمانوں کو جگانے اور ان کے اندر ولولہ تو پیدا کرنے میں موثر کردار ادا کیا۔ اس تحریک کی بازگشت سید احمد بریلویؒ اور شاہ محمد اسماعیلؒ کی سکھ چیرہ دستیوں کے خلاف اعلان جہاد تھا۔ اس تحریک کے اثرات ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کئی سال تک محسوس کئے جاتے رہے۔ الجزائر میں امیر عبدالقادر (۱۸۸۰ء) اور روس کے علاقہ داغستان میں شیخ محمد شامل (۱۸۷۰ء) بڑی پامردی اور جانفشانی سے فرانسیسی اور روسی استعمار کو للکار رہے تھے ------

ہندوستان میں برطانوی سامراج نے قدم جمائے اور ان خاندانوں کو نوازا جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں غداری کی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے والد مرزا غلام مرتضےٰ اور ان کے بھائی غلام قادر نے برطانوی سامراج کی پوری پوری خدمت کی۔ سر لیپل گرفن نے غداروں کے کارناموں کی دستاویز پنجاب چیفس میں لکھا ہے۔ کہ یہ خاندان خاص طور پر مرزا غلام مرتضیٰ انگریز کا وفادار اور نمک حلال تھا۔ مرزا غلام احمد اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جنہیں اپنی غداری اور ملت فروشی پر فخر تھا۔

۱۸۶۴ء میں مرزا غلام احمد سیالکوٹ کچہری میں ملازم تھے۔ مختاری کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد تصنیف و تالیف اور مذہبیات کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں اصلاح خلق کے لئے مامور ہونے کا دعویٰ کیا[۱] اور چھ سال بعد دسمبر ۱۸۸۸ء میں لدھیانہ میں بیعت لینے لگے۔[۲] اوائل میں مجدد بنے[۳] ۱۸۹۱ء میں مثیل مسیح اور مسیح موعود[۴] اور ۱۹۰۱ء میں نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔[۵] ۱۹۰۴ء میں کرشن اوتار اور تمام مذاہب کے آنے والے (؟) ہونے کا اعلان کیا۔[۶] ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو (؟) سدھار گئے۔

۱۸۸۲ء سے ۱۹۰۸ء تک مرزا نے کئی روپ دھارے، ابتداء میں آپ نے آریہ سماجی، برہمو سماجی، اور دیو سماجی رہنماؤں کے ساتھ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے مناظرے کئے جسے مسلمانوں نے پسندیدہ نگاہ سے دیکھا۔ سب سے پہلا اشتہار ۲ مارچ ۱۸۷۸ء کو باوا نرائن سنگھ آریہ سماج امرتسر کو "ارواح کے بے انت" ہونے کے مسئلے پر دیا۔ اس کے بعد پنڈت دیانند سرسوتی، پنڈت کھڑک سنگھ اور برہمو سماجی، پنڈت شیو نارائن اگنی ہوتری کے نام مناظرے کے چیلنج دیئے[۷] اور ۱۸۸۰ء میں ایک کتاب براہین احمدیہ حصہ اول طبع کرائی۔ اس کتاب کی طباعت کے لئے آپ نے اشتہار دیئے اور صاحب ثروت لوگوں سے چندے اور پیشگی رقومات حاصل کیں۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد ایک تو آئندہ کے لئے تصنیف و تالیف کی راہ کھل

گئی دوسرے آپ مناظر اسلام کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔

براہین احمدیہ میں آپ نے اسلام کے حق میں تین سو دلائل دینے کا اشتہار دیا۔ لیکن اسلام کی تائید کے نام پر اس میں اپنے بیشمار الہام اور گورنمنٹ کی حمایت و توصیف کے اعلانات درج کر دئیے۔ یاد رہے۔ مرزا صاحب نے انہیں الہامات کو خام مواد کے طور پر اپنے آئندہ کے دعاوی کے لئے استعمال کیا۔ دراصل تمہید نبوت اس کتاب میں باندھی گئی، بعد کا عرصہ مشق نبوت میں گزرا۔

مرزا صاحب نے جس گھٹیا انداز سے انگریز کی مدح سرائی شروع کی مسلمانوں نے اس کا شدید نوٹس لیا۔ ان کو خطوط لکھے کہ انگریزوں کی اس قدر تعریف اور دوسری اسلامی حکومتوں کے مقابلے میں اس کو کیوں ترجیح دی گئی ہے۔؟ اس کا مرزا صاحب نے یہ جواب دیا:

"تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں سے اس مضمون کی بابت کہ جو (براہین احمدیہ) حصہ سوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہے اعتراض کیا اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت الفاظ بھی لکھے کہ انگریزی عمل داری کو دوسری عمل داریوں پر کیوں ترجیح دی لیکن ظاہر ہے۔ جس سلطنت کو اپنی شائستگی اور حسن انتظام کی رو سے ترجیح ہو اس کو کیونکر چھپا سکتے ہیں۔" ۸ھ

براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد مرزا صاحب نے اپنی ہر تحریر میں انگریز کے استبدادی راج کی برکات گنوانی شروع کر دیں اور لوگوں کو ان سے پر خلوص وفاداری کا درس دینے لگے۔ ۱۸۹۳ء میں آپ نے ایک اشتہار عام اطلاع کے لئے شائع کرایا۔ اس میں فرماتے ہیں:

"گورنمنٹ کو اس عاجز کے خاندان کے خیر خواہ ہونے پر بصیرت کامل تھی اور گورنمنٹ خوب جانتی تھی کہ یہ عاجز ۱۴ سال سے برخلاف ان تمام مولویوں کے بار بار مضمون شائع کر رہا ہے کہ ہم لوگ گورنمنٹ برطانیہ کے رعیت ہیں ہمارے لئے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گورنمنٹ ہذا کے زیر اطاعت رہنا اپنا فرض ہے اور بغاوت کرنا حرام اور جو شخص بغاوت کا طریق اختیار کرے یا اس کے لئے کوئی مفسدہ بنا ڈالے یا ایسے مجمع میں شریک ہو یا راز دار ہو تو وہ اللہ و رسولؐ کے حکم کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اور جو کچھ اس عاجز نے گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ بننے کے لئے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، وہ سچ ہے۔" ۹ھ

۱۸۹۴ء میں ایک اور اشتہار میں ارشاد ہوتا ہے۔

"میں نے برابر ۱۶ برس سے یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی

کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی طرف ترغیب دوں چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لئے اپنی ہر ایک تصنیف میں یہ لکھنا شروع کیا۔ (مثلاً دیکھو براہین احمدیہ، شہادت القرآن، سرمہ چشم آریہ آئینہ کمالات اسلام، حمامۃ البشریٰ، نور الحق وغیرہ) کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ بارہا اس بات پر زور دیا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ برٹش انڈیا کی رعایا کی محسن ہے۔ اس لئے مسلمانان ہند پہ لازم ہے کہ نہ صرف اتنا کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے مقابل بدارادوں سے رکیں بلکہ اپنی سچی شکر گزاری اور نمونے بھی گورنمنٹ کو دکھلا دیں۔" [۸]

اس قسم کی بیشمار تحریریں موجود ہیں جن میں مرزا صاحب کی سامراج نوازی، کاسہ لیسی اور ملت فروشی کی جھلک موجود ہے۔ آپ نے نہ صرف مسلمانان ہند کو ہی درس محکومیت دیا بلکہ پوری عرب دنیا کو برطانوی سامراج کا غلام بنانے کی پالیسی اختیار کی اور اسلامی حکومتوں کی سالمیت کو تباہ کرنے کے مذہبی لبادہ اوڑھ کر نت نئی ریشہ دوانیوں کی داغ بیل ڈالی۔ سامراج کی تائید میں آپ نے صرف ہندوستان ہی میں جہاد کو منسوخ قرار نہیں دیا بلکہ دنیائے اسلام میں جہاد کی ممانعت کا بیڑا اٹھایا، دوسری طرف برطانوی سامراج کی ہر قسم کی حمایت کی تاکہ وہ اپنی جارحیت کے بل بوتے پر اسلامی ممالک کو محکوم بنائیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ بلادِ اسلامی روم و مصر وغیرہ کے لوگ ہمارے واقعات سے مفصل طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ اور جس قدر ہم نے اس گورنمنٹ سے آرام پایا اور اس کے عدل اور رحم سے فائدہ اٹھایا وہ اس سے بے خبر ہیں اس لئے میں نے عربی اور فارسی میں بعض رسائل تالیف کرکے بلادِ شام اور روم اور مصر اور بخارہ وغیرہ کی طرف روانہ کئے اور ان میں گورنمنٹ کے تمام اوصاف حمیدہ درج کئے اور بخوبی ظاہر کر دیا کہ اس محسن گورنمنٹ کے ساتھ جہاد قطعاً حرام ہے اور ہزارہا روپیہ خرچ کرکے وہ کتابیں مفت تقسیم کیں اور بعض شریف عربوں کو وہ کتابیں دے کر بلادِ شام اور روم کی طرف روانہ کیا۔ اور بعض عربوں کو مکہ اور مدینہ کی طرف بھیجا اور اس طرح مصر میں بھی کتابیں بھیجیں اور یہ ہزارہا روپیہ کا خرچ تھا جو محض نیک نیتی سے کیا گیا۔" [۱۱]

(باقی آئندہ)

حوالہ جات: [۱] تفصیل کے لئے دیکھیں براہین احمدیہ، شہادۃ القرآن، ستارہ قیصریہ، تریاق القلوب وغیرہم مصنفہ غلام احمد قادیانی۔ [۲] قادیانیت، مؤلفہ ابو الحسن ندوی ص۲۳۔ [۳] براہین احمدیہ حصہ سوم مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی، وزیر ہند پریس امرتسر ص۲۴۸ [۴] قادیانیت مؤلفہ ابو الحسن ندوی۔ [۵] اشتہار ایک غلطی کا ازالہ، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی ص۲۔ [۶] ملاحظہ ہو لیکچر سیالکوٹ از مرزا غلام احمد قادیانی۔ [۷] تبلیغ رسالت جلد اول، مرتبہ قاسم علی قادیانی ایڈیٹر فاروق قادیان ۱۹۱۸ ص ۱۳ تا ۱۴۔ [۸] ایضاً ص۲۹۱ [۹] تبلیغ رسالت حصہ دوم، مؤلفہ قاسم علی قادیانی فاروق پریس قادیان ۱۹۱۸ ص۹۲۔ [۱۰] ایضاً ص۱۹۲۔ [۱۱] ایضاً ص۱۹۴

برعظیم میں مشنری سرگرمیاں اور علمائے حق

انیسویں صدی کے نصف آخر میں پادریوں کی سرگرمیوں اور سرکاری عہدوں کے لالچ میں چند مسلمان مولوی مرتد ہوکر دائرہ عیسائیت میں داخل ہوگئے۔ عبداللہ آتھم اور صفدر علی ڈپٹی بن گئے اور مولوی عماد الدین کو بھی یہی عہدہ پیش کیا گیا مگر اس نے مذہبی مناد بننے کو ترجیح دی۔

عبداللہ آتھم عیسائیت قبول کرنے کے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف لکھنے لگا۔ اس نے کئی رسالے اور کتابیں لکھیں جن میں "آرام آتھمی بجواہر القرآن"، "نکاتِ احمدیہ"، "زینۂ فطرت" اور "ہوائے زمانہ" زیادہ معروف ہیں۔ اس نے آخری عمر میں متنبی قادیان مرزا غلام احمد سے امرتسر میں مناظرہ کیا تھا، جو جنگِ مقدس کے نام سے شائع ہوا تھا۔

صفدر علی کے عزیز و اقارب اس کے بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔ اس نے آگرہ میں عیسائی مشنریوں سے تعلیم پائی۔ یو۔پی کے لیفٹیننٹ گورنر نے تمغۂ امتیاز دیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد گورنمنٹ کالج آگرہ میں فارسی کا مدرس ہوگیا۔ پنجاب میں سررشتۂ تعلیم کے قائم ہونے پر ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر ترقی پائی۔ بعد ازاں جبل پور تبادلہ ہوگیا اور یہاں عیسائیت قبول کرلی۔ گارسن دتاسی لکھتا ہے کہ:

"جبل پور میں ایک انجمن اشاعت علوم کی ہے۔ جس کے صدر مولوی صفدر علی ہیں جو ایک صاحبِ شہرت شخص ہیں اور ناظرِ تعلیمات ہیں [1]"

پادری عماد الدین پانی پت کے ایک مسلمان گھرانے میں ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوا حصول تعلیم کی خاطر آگرے چلا گیا جہاں عیسائی پادریوں کے پھندے میں پھنس کر ۱۸۶۶ء میں عیسائی ہوگیا۔ امرتسر کے مشن کا

انچارج ہوا۔ اور مرتے دم تک (۹ اگست ۱۹۰۰ء) اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں زبان و قلم استعمال کرتا رہا۔ یہ شخص پنجاب میں عیسائیت کا سب سے بڑا ہندوستانی مبلغ رہا ہے۔ گارسن دتاسی اس کے بارے میں لکھتا ہے:

"مولوی عماد الدین پہلے اسلام کے عماد تھے اور اب مسیحی مذہب کی ہندوستان میں بڑی خدمت کر رہے ہیں۔[۵۲]"

متذکرہ بالا تین مرتد مسلمان پادریوں کو کمک ایک نو عیسائی ہندو رام چندر سے ملی۔ رام چندر دہلی کے ایک کائستھ خاندان میں ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوا۔ بارہ برس کی عمر میں ایک انگریزی مدرسے میں داخل ہوا۔ فکر معاش سے مجبور ہو کر محرر ہو گیا۔ مگر تعلیم کی تکمیل کے لئے دہلی کالج میں داخل ہو گیا۔ تین سال کی تعلیم کے بعد اسی کالج میں مدرس ہو گیا۔ ۱۸۵۲ء میں ہندو مذہب ترک کر کے بپتسمہ پایا۔ کالج میں ہنگامہ ہو گیا اور طلبہ کی تعداد کم ہو گئی۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ایک کتاب پر خلعت پنج پارچہ اور دو ہزار روپے نقد سے نوازا۔ بعد میں کئی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوا اور ۱۸۸۰ء میں راہئ ملک عدم ہوا۔

رام چندر نے بھی اسلام کے خلاف زہر اگلا۔ اگرچہ وہ ہندو سے عیسائی ہوا تھا مگر اس نے بھی ہندوازم کو نشانہ بنانے کی بجائے اسلام کو تاکا۔

دیسی عیسائی پادری اپنے آقاؤں سے بڑھ کر تبلیغ عیسائیت میں مستعد تھے انہوں نے انگریز مشنریوں کی کتابوں کے ترجمے کئے اور از خود سینکڑوں کتابیں اور پمفلٹ شائع کئے۔ جرائد و رسائل جاری کئے۔ مسلمان علماء نے بے زری کے باوجود عیسائی پادریوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ میدانِ قرطاس و قلم یا میدانِ مناظرہ۔ دونوں میں عیسائی پادریوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ نو عیسائی پادریوں کے مقابلہ میں جو لوگ میدان میں اترتے ان میں سے ایک ناصر الدین ابو المنصور دہلوی تھے۔

سید ناصر الدین کا اصل وطن قصبہ سید آباد (مضافات قنوج) تھا۔ مگر ان کے والد سید محمد علی ناگپور ریذیڈنسی میں میر منشی تھے۔ وہیں ناصر الدین پیدا ہوئے۔ مروجہ علوم کی تحصیل اپنے والد اور دادا سے کی۔ اہل کتاب کی کتابوں (توراۃ و انجیل) کی تعلیم ممتاز اہل کتاب علماء سے حاصل کی۔ انہوں نے عمر بھر ملازمت اختیار نہ کی بلکہ عیسائی پادریوں کے لسانی و قلمی حملوں کا جواب دیتے رہے۔ البتہ کچھ عرصہ نواب جہانگیر محمد خان رئیس بھوپال کی مصاحبت میں رہے۔

آخر میں دہلی چلے آئے تھے۔ اور یہیں پادریوں کے جواب میں اپنی کتابیں شائع کیں۔ ان

کے صاحبزادے میر ناصر علی ایڈیٹر "صلاحِ عام" (م ۱۹۳۳ء) ادبی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ اپنے دور میں وہ مناظرہ کے فن کے امام تھے۔ آخر ۱۹۰۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

عقائد | ابو المنصور دہلوی کی زندگی میں ایک طرف عیسائی مشنری اسلام اور مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے تو اس کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں میں متجددین اسلامی عقائد کی خود ساختہ تشریح و تفسیر میں منہمک تھے۔ سر سید احمد خان (م ۱۸۹۸ء) متجددین کے سرخیل تھے انہوں نے تفسیر احمدی لکھی جس میں مسلمانوں کے عقائد کے بارے میں حالات سے مطابقت رکھتے ہوئے تشریح کی گئی۔ انہوں نے معجزات سے انکار کیا۔ معراج کو جسمانی کی بجائے روحانی قرار دیا۔ ملائکہ کے وجود سے انکار کر دیا۔ وغیرہ ——— ان عقائد سے سوادِ اعظم کو اتفاق نہیں تھا۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے ان سے برأت کا اظہار کیا۔ ابو المنصور بھی سر سید احمد خان کے ان عقائد اور من مانی تشریحات کو اسلام کے لئے مضر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے زبانی اور قلمی طور پر مسلمانوں کے عقائد اور اسلام کی تعلیمات کو اصل صورت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے تفسیر احمدی کے جواب میں "تنقیح البیان" لکھی اور "تہذیب الاخلاق" کی تردید میں "شلاق" کے نام سے رسالہ لکھا۔

ابو المنصور کی تصانیف | ابو المنصور دہلوی کا دل پسند موضوع اہل کتاب کے عقائد تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر ان سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں۔

۱۔ نوید جاوید۔ اس میں عیسائیوں کے مختلف سوالوں کے جوابات دئیے گئے ہیں۔

۲۔ عقوبت الضالین۔ پادری عماد الدین کی کتاب "ہدایت المسلمین" کا جواب ہے۔ دوبارہ اصل و جواب دونوں کا محاکمہ بھی تحریر کیا۔

۳۔ لحن داؤدی۔ پادری عماد الدین کی کتاب "نغمہ زنبوری" پر تبصرہ اور تنقید ہے۔

۴۔ تصحیح التاویل۔ پادری عماد الدین نے تفسیر مکاشفات" لکھی۔ ابو المنصور دہلوی نے اس کی اکثر غلطیوں کو نمایاں کیا اور حقیقتِ حال واضح کی جس کا نام "تصحیح التاویل" رکھا۔

۵۔ استیصال۔ پادری رام چند کے رسالہ "مسیح الدجال" کا جواب ہے۔

۶۔ اعجاز قرآن۔ پادری رام چند نے قرآن کے معجزات پر "اعجاز قرآن" کے نام سے ایک تردیدی کتابچہ لکھا تھا جس کا جواب "اعجاز قرآن" ہے۔

۷۔ انعام عام۔ امریکن مشن لکھنؤ کے پادری سیموئیل بانسن اور پادری رجب علی نے "آئینہ اسلام"

کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ رجب علی مرتد مسلمان تھا۔ جس نے عیسائیت کی نشرواشاعت کیلئے لکھنؤ سے "شمس الاخبار" جاری کیا تھا۔ گارسن دتاسی نے اپنے مقالات میں ایک اخبار کا "انعام عام" پر تبصرہ نقل کیا ہے۔ تبصرہ نگار لکھتا ہے:

آئینہ اسلام میں مشنریوں نے مسلمانوں میں ۲۵۰ فرقے کئے ہیں اور لکھا ہے کہ شروع اسلام ہی سے یہ حال تھا اور ان کا دعویٰ ہے کہ عیسائی فرقوں کا یہ حال نہیں۔ مصنف نے ان اعتراضات کا مکمل اور فیصلہ کن جواب دیا ہے۔ مشنریوں نے غلط طور پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ ان فرقوں میں سے آٹھ خدا نہیں مانتے ۱۴ رسول اور پندرہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اور ۳۷ حلقۂ اسلام سے بالکل خارج ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب میں دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کہ عیسائیوں میں اٹھاسی فرقے موجود ہیں۔ جن میں سے چھ روح القدس کو نہیں مانتے۔ پچیس حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے قائل نہیں۔ سولہ عہد نامہ جدید و قدیم کے آسمانی کتاب ہونے پر ایمان نہیں لاتے اور باقی پینسٹھ فرقے ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں مصنف نے ان کتابوں کے حوالے دئے ہیں جن کا مستند ہونا مسلم ہے۔ مصنف نے جو محنت برداشت کی ہے۔ اس کی تحسین ہمارا فرض ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے لئے انہوں نے مختلف زبانوں کی کتابوں کے حوالے جمع کئے ہیں۔ برخلاف اس کے "آئینۂ اسلام" میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں۔ صفحات وسطور کی وضاحت نہیں کی گئی۔ لیکن ابوالمنصور کی تصنیف میں صفحات، سطور اور جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کی اشاعت اور مقام کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ جس سے اس کتاب کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے[۱۵]۔

۸۔ افحام الخصام۔ پادری راجرس کی تالیف "تفتیش الاسلام" پر تنقید ہے۔

۹۔ میزان المیزان۔ پادری فینڈر نے "میزان الحق" کے نام سے اسلام کے خلاف کتاب لکھی معاصر علماء نے اس کے جوابات لکھے اور مناظرے کئے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے "اظہار الحق" کے نام سے وہ معرکۃ الآرا جواب لکھا تھا۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے "لنڈن ٹائمز" نے لکھا کہ "اگر یہ کتاب چھپتی رہی تو عیسائیت کی ترقی رک جائے گی۔" تاہم مسلمان علماء نے اس کتاب کے مختلف اوقات میں کئی جواب لکھے۔ ان میں سے ایک "میزان المیزان" ہے۔

۱۰- مصباح الاسرار - پادری فینڈر کی دوسری معروف کتاب "مفتاح الاسرار" ہے جس میں الوہیت مسیح اور تثلیث پر بحث کی گئی ہے۔ پادری فینڈر کا جواب اس کے معاصر مولانا محمد ہادی لکھنوی نے "کشف الاستار" کے نام سے لکھا تھا۔ بعد میں مولانا ابوالمنصور نے "مصباح الاسرار" کے نام سے جواب لکھا۔

۱۱- رقیمۃ الوردو۔ پادری صفدر علی نے "نیا زمانہ" کے نام سے اسلامی عقائد پر تنقیدی کتاب لکھی۔ "رقیمۃ الوردو" اسی کا جواب ہے۔

۱۲- حرز جان - ڈپٹی عبداللہ آتھم کے رسالہ "اصلیت قرآن" کا جواب ہے۔

۱۳- تبیان - اہل عیسائیت کے بارہ سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔

ابوالمنصور دہلوی مرحوم سے تردید عیسائیت کا یہی لٹریچر یادگار نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ ان کے بیسیوں مضامین اور کتابچے ہیں۔ مگر ان کی معرکہ آرا تالیف فارسی زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر "تبجیل التنزیل" ہے۔ تفسیر میں احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور آریوں، عیسائیوں اور مسلمان متجددین کے افکار کا جواب دیا گیا ہے۔

کتابیات :- تذکرہ علمائے ہند ۔ مولوی رحمٰن علی محققہ محمد ایوب قادری۔
۲- مقالات گارسن دتاسی ۔ گارسن دتاسی۔
۳- صلیب کے علمبردار ۔ پادری برکت علی۔

ڈاکٹر محمد ریاض، استاد سنٹرل گورنمنٹ کالج
اسلام آباد

شرف النساء بیگمؒ
اور
علامہ اقبالؒ

شرف النساء بیگم اٹھارویں صدی عیسوی میں لاہور کی ایک جرأت مند، متقی اور صاحب فقر خاتون تھیں۔ علامہ اقبال نے جاوید نامہ کے حصہ آنسوئے افلاک میں جنت الفردوس کے "ذوق دیدار" اور "عالم لازوال" والے ایمان پرور ماحول میں پہلا ہی عنوان "قصر شرف النساء بیگم" (ص ۱۸۱ تا ۱۸۳ کے ۱۴ اشعار) رکھا ہے۔ فکر اقبال نے اس قصر کو "لعل ناب" سے مرصع دکھایا ہے۔ شاعر مشرق کے استفسار پر مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ: اس قصر کی صاحبہ شرف النساء بیگم رحمۃ اللہ علیہا ایک غیر معمولی متقی، غیور اور بافقر خاتون تھی۔ خطہ لاہور میں ایسی عفیفہ کے مزار کی موجودگی نے اس شہر کے احترام میں اضافہ کیا ہے۔ مگر لوگ ابھی اس کے مقام و مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ حاکم پنجاب کی یہ صاحبزادی، ذوق و شوق اور درد و داغ کا مجسمہ تھی۔ خانوادۂ نواب عبد الصمد خان کے اس زر دیدہ نے اسلامی فقر و درویشی کے انمٹ نقوش یادگار چھوڑے ہیں۔ یہ خاتون تیغ بہ کمر رہتی اور قرآن مجید کی معنی نیز تلاوت سے بے انتہا شغف رکھتی تھی۔ مرتے وقت اس نے اپنی والدہ سے وصیت کی کہ میرے مزار پہ قرآن مجید اور شمشیر براں کو محفوظ رکھا جائے اور گنبد و قندیل کو زینت مزار بنانے کی ضرورت نہیں۔ اس وصیت کے مطابق قرآن مجید اور شمشیر مدتوں ان کے مزار پہ موجود رہے مگر "سکھا شاہی عہد" کے آخری سالوں (۱۸۴۰ء — ۱۸۴۹ء) میں پنجاب کی تاخت و تاراج کی گرم بازاری کے دوران سکھوں نے مزار کی ان چیزوں کو نابود کر دیا۔ سکھوں کی تاخت و تاراج اور سفاکیوں کا دور تاریخ پنجاب کا عبرتناک دور ہے۔ (اشعار کی تحلیل)

اقبالؒ کے اشعار کے تجزیہ سے واضح ہے کہ انہیں شرف النساء کی تابناک زندگی نے متاثر کیا تھا۔ قرآن مجید مسلمانوں کا ابدی دستور حیات ہے، شمشیر، اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد اسلامی کا مظہر

ہے، دماغی اور اصلاحی۔ اقبال یہاں فرماتے ہیں :-

این دو قوت حافظ یک دیگر اند　　کائنات زندگی را محور اند

جاوید نامہ میں ہی "خطاب بہ جاوید (سخنی بہ نژاد نو)" کے تحت آپ نے سلطان مظفر بیگ گم کی تعویذی شعاری کے ذکر میں (ص ۲۴۰) فرمایا ہے :-

مرد مومن را عزیزا ای نکتہ رس　　چیست جز قرآن و شمشیر و فرس

مثنوی "پس چہ باید کرد" میں (ص ۲۶ - ۲۷) "فقر" کا عنوان قرآن و شمشیر سے اقبال کی وابستگی کا مظہر ہے :-

فقر قرآن احتساب ہست و بود　　نی رباب و مستی و رقص و سرود

فقر کافر خلوت دشت و دراست　　فقر مومن، لرزۂ بحر و بر است

وای ما، وای این دیر کہن　　تیغ لا در کف نہ تو داری نہ من

تا کجا بی غیرت دین زیستن　　ای مسلمان ننگ است این زیستن

قرآن مجید و شمشیر کے اسی سیاق میں آپ شرف النساء بیگم کے بارے میں فرماتے ہیں :-

آں فروغ دودۂ عبد الصمد　　فقر او نقش کہ ماند تا ابد

تا ز قرآن پاک می سوزد وجود　　از تلاوت یک نفس فارغ نبود

در کمر تیغ دو رو، قرآن بدست　　تن بدن ہوش و حواس اللہ مست

خلوت و شمشیر و قرآن و نماز　　ای خوش آں عمری کہ رفت اندر نیاز

عمرہا در زیر ایں زریں قباب　　بر مزارش بود شمشیر و کتاب

مرقدش اندر جہان بے ثبات　　اہل حق را داد پیغام حیات

شرف النساء بیگم کا تعارف | جاوید نامہ کی اشاعت کے زمانے میں، علامہ اقبال کے ایما پر چودھری محمد حسین مرحوم نے "جاوید نامہ پر ایک نظر" کے زیر عنوان ایک مبسوط مقالہ لکھا جو "نیرنگ خیال اقبال نمبر ۱۹۳۲ء" اور اس کے بعد متعدد کتابوں کی ذیل میں چھپ چکا ہے۔ اس تاریخی مقالہ میں شرف النساء بیگم کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ہم اس کے چند اقتباسات نقل کر کے ضمنی باتوں کی توضیح کریں گے۔

شرف النساء بیگم، نواب خان بہادر خان کی بیٹی اور نواب عبد الصمد خان کی پوتی تھی۔ یہ دونوں باپ بیٹے بہادر شاہ اول شاہ عالم اور فرخ سیر نیز ان کے جانشینوں کے عہد حکومت

میں پنجاب کے حاکم رہے۔ عبد الصمد خان وہی ہیں جنہوں نے پنجاب میں بندہ بیراگی کے عظیم فتنے کو دبایا اور اس فتنہ گر کو گرفتار کر کے دہلی پہنچایا۔ نواب عبد الصمد خان اور اس کے بیٹے نواب خان بہادر خان کی قبریں بیگم پورہ میں چار دیواری کے اندر موجود ہیں ___ انہی مقبروں میں شرف النساء بیگم کا مقبرہ بھی ہے۔

شرف النساء بیگم نے محلات شاہی کے احاطے میں ایک چبوترہ بنوا رکھا تھا جس پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا۔ اس خاتون کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کی نماز کے بعد جوتا اتار کر اس چبوترہ پر بیٹھ جاتیں اور قرآنِ مجید کی تلاوت کرتیں۔ وہاں ایک مرصّع تلوار رکھی تھی، جب تلاوت ختم کر لیتیں تو قرآنِ حکیم کو بند کر کے وہیں پڑا رہنے دیتیں اور مرصّع تلوار اس کے ساتھ رکھ کر نیچے اتر آتیں ___

مرتے وقت انہوں نے وصیت کی کہ وہ اسی چبوترہ پہ دفن کی جائیں اور قرآنِ حکیم و شمشیر کو ان کی مرقد پہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ اور بعد میں مذکورہ چبوترہ پہ گنبد بنایا گیا ___ مقبرہ کی بالائی دیواروں کے باہر سرو کے درخت ہیں۔ اور ان کی وجہ سے لوگ اب اس مقبرے کو سرو والا مقبرہ کہتے ہیں ___ شرف النساء بیگم کی وصیت کے مطابق قرآن مجید اور تلوار ایک مدّت تک ان کی قبر پہ محفوظ رہے۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط میں سکھوں کی خانہ جنگی کے دوران کسی حریص، سکھ سردار نے یہ سوچ کر کہ اس دو منزلہ مقبرے میں کوئی خزانہ مدفون ہوگا۔ اسے کھول ڈالا۔ قرآن مجید اور شمشیر اس سے ہٹا ڈالیں اور کچھ ہاتھ نہ لگا۔

جاوید نامہ میں یہی ایک مقام ہے جہاں پنجاب کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک دردناک باب اشاروں میں پیش کر دیا گیا ہے... الخ

توضیح | گذشتہ اقتباس میں بیگم مرحومہ کے والد کا نام "نواب خان بہادر خان" لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد نواب خان بہادر خان سیف الدولہ دلیر جنگ زکریا خاں ہیں۔ آپ نواب سیف الدولہ عبد الصمد خان دلیر جنگ احراری سمرقندی، حاکم پنجاب (لاہور و ملتان) و کشمیر کے فرزند تھے والد کی وفات کے بعد آپ نے حاکم پنجاب کا عہدہ سنبھالا اور اپنی وفات (اوّل جمادی الثانی ۱۱۵۸ھ یکم جولائی ۱۷۴۵ء) تک نہایت استعداد اور دور اندیشی سے فرائض انجام دیے ہیں۔ اشعارِ اقبال میں چونکہ نواب عبد الصمد کا نام آیا، اور ان کے کارنامے دیگر توضیحات سے مربوط ہیں۔ اس لئے ہم پہلے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

عبد الصمد خاں، سمرقند اور بقول بعض بخارا کے رہنے والے تھے[۲] کہا جاتا ہے کہ وہ مشہور

عارف خواجہ محمود خاوند متوفی ۱۵۵۵ء ملقب "حضرت ایشان" کے مزار واقع لاہور کی زیارت کرنے آئے اور بعد میں یہیں رہ گئے۔[۳] وہ مغل حکام اور شاہزادوں کی ملازمت کرتے کرتے اس درجہ ترقی کر گئے کہ فرخ سیر (۱۷۱۲ - ۱۷۱۹ء) نے ۱۷۱۳ء میں انہیں پنجاب کا حاکم مقرر کر دیا۔ اگلے سال بدنام سکھ فتنہ گر بندہ بیراگی نے پنجاب اور اس کے نواح میں تاخت و تاراج کا بازار گرم کیا۔ اُسے مسلمانوں سے بے حد عداوت تھی۔ بچوں اور عورتوں کا اغوا، حاملہ عورتوں کے شکم چاک کروانا، مساجد کی مسماری اور مسلمانوں کی نعشوں تک کو قبر سے نکال کر ان کی بے حرمتی کرنا، اس کا معمول بن چکا تھا۔[۴]

نواب عبدالصمد خان نے دہلی کی مرکزی حکومت کی فوج کی کمک سے بندہ بیراگی سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اور آخر دسمبر ۱۷۱۵ء میں اُسے گرفتار کروا کے دہلی بھیجا تھا۔ وہاں اُسے قید رکھا گیا۔ اور ۱۹ جون ۱۷۱۶ء کو عبرت ناک طریقے سے قتل کیا گیا جس کی تفصیل سیر المتاخرین حصہ اول میں دیکھی جا سکتی ہے۔ نواب عبدالصمد خان کی اہلیت کے ذکر کے طور پر اس امر کو بیان کر دیا جاتا ہے کہ بندہ کی فتنہ گری کے زمانے میں انہیں خاص طور پر کشمیر سے بلایا گیا تھا۔ نواب موصوف ان دنوں وادی جموں و کشمیر کی امارت بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ اور ان کے فرزند نواب زکریا خان حکومت پنجاب کے معاملے میں ان کی نیابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

بندہ بیراگی سے نمٹنے کے لئے پنجاب کی طرف کوچ کرتے وقت، نواب نے غلام عارف خان کو کشمیر میں اپنا نائب الامور بنایا تھا۔[۵] بندہ بیراگی کے فتنے کے خاتمے کے بعد آپ پنجاب میں ہی رہے۔ مگر سلطان ناصر الدین محمد شاہ رنگیلا (۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ء) کے عہد میں ۱۷۲۰ سے ۱۷۲۳ء تک آپ نے وادی جموں و کشمیر کی نظامت کا اضافی عہدہ دوبارہ سنبھالا ہے۔[۶] نواب عبدالصمد خان نے ۲۸ ربیع الاول ۱۱۰۰ھ / ۲۶ جولائی ۱۷۳۷ء کو وفات پائی اور مذکورہ درویش خواجہ محمود خاوند کے مزار واقع لاہور کے پہلو میں دفن ہوئے۔

نواب عبدالصمد ایک جنگجو اور اعلیٰ انتظامی قابلیت کے حامل ہی نہ تھے، وہ دور اندیش اور معارف پرور بھی تھے۔ فارسی کا مشہور ہندو شاعر انندرام مخلص سودھری سیالکوٹی (۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء) جو مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی اور سراج الدین خان آرزو جیسے فضلاء سے اپنے اشعار میں اصلاح لیتا رہا۔ نواب عبدالصمد خان کا وکیل تھا۔ اور موصوف کی سرپرستی میں رہا ہے۔ نواب نے اُسے "رائے رایان" کا لقب دے رکھا تھا۔[۷] اتفاق سے اس شاعر کے کلام سے اقبال کو بھی دلچسپی تھی۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں مجلہ مخزن میں ایک مقالہ "قومی زندگی" لکھنے میں انہوں نے مخلص کا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے ؎

نیست جرأت بعرض حال مرا　　گلہ مندم زبی زبانیہا

نواب عبد الصمد خان کی زوجہ بیگم جان امور ملکی اور رفاہی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتی تھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ لاہور کا محلہ بیگم پورہ موصوفہ کے نام پر آباد کیا گیا تھا۔

نواب ذکریا خان | نواب ایک با استعداد اور دور اندیش شخص تھا۔ وہ راتوں کو بھیس بدل کر گشت کرتا، مظلوموں کی شکایات سنتا اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاتا تھا۔ نواب خان بہادر ذکریا خان نے فرقہ وارانہ فسادات اور غیر مسلموں کی سفاکیوں سے قطع نظر، بڑی رواداری اور انصاف دوستی کے ساتھ حکومت کی ہے[۹] اس کے دور کا ایک بڑا واقعہ نادر شاہ افشار ایرانی کا حملہ ہے۔ (۱۷۳۹ء میں) نواب ذکریا نے مرکزی دولت مغلیہ کو نادر شاہ کے مقابلے کی خاطر متوجہ کیا مگر وہاں نظام الملک آصف جاہ اور اس کے بیٹوں نے "محمد شاہ" کو "ناصر الدین غازی" کا لقب دے کہ عملاً "رنگیلا" بنا رکھا تھا۔ مقابلہ کون کرتا۔ وہ شکست آمیز جنگ کا نتیجہ دیکھنے سے قبل ہی نواب ذکریا خان نے نادر شاہ سے صلح کی گفتگو کی، تحائف نذر کئے اور اس طرح گہوارہ علم و ادب لاہور کو تباہ ہونے سے بچا لیا[۱۰] نواب ذکریا خان کا یہ عمل ہمیں حاکم شیراز ابوبکر بن سعد زنگی اتابک (۶۲۳ - ۶۵۸ھ) اور سلطان کشمیر اسکندر بت شکن (۷۹۶ - ۸۲۰ھ) کی یاد دلاتا ہے۔ مقدم الذکر نے ہلاکو سے اور موخر الذکر نے امیر تیمور سے اپنے علاقے کو بچا لیا تھا۔

نواب ذکریا خان کے بعد ان کے بھائی نواب یحییٰ خان اور نواب شاہنواز خان یکے بعد دیگرے سرزمین پنجاب کے حاکم رہے۔ ان کے تیسرے بھائی کا نام مومن تھا۔ نواب ذکریا کے بھائیوں کے دور نظامت میں سکھوں مرہٹوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ ان کے فتنوں کو روکنے کی خاطر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)[۱۱] اور بقول بعض نواب شاہنواز خان نے بھی احمد شاہ ابدالی درانی کو پنجاب اور اس کے نواح پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی[۱۲] احمد شاہ نے برصغیر پر دس بار حملہ کیا۔ پہلے حملہ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء میں لاہور کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اس کا چھٹا حملہ پانی پت کی تیسری لڑائی (۱۷۶۱ء) کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں مرہٹوں کو بے حد نقصان پہنچا مگر چونکہ ابدالی افغانستان کو لوٹ گئے اور مقامی مسلمان خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے۔ اس لئے پہلے بعض افغانوں غارتگروں نے اور پھر سکھوں نے سرزمین پنجاب کو تاخت و تاراج کیا۔

سکھا شاہی دور | احمد شاہ ابدالی کے کابل چلا جانے کے بعد ۱۷۶۲ء میں سکھوں نے سرہند کے حاکم زین خان کو قتل کر دیا۔ اور اس علاقے پر متصرف ہو گئے۔ سرہند کے بعد سکھوں نے لاہور پر قبضہ جما لیا۔ انہوں نے افغانوں کو اپنی وفاداری اور باجگذاری کا یقین دلایا۔ ۲۰ سال کی باجگذاری کے بعد

۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے حاکم کابل شاہ زمان سے مطلق العنان حکومت قائم کرنے کی اجازت لے لی ۔ شاہ زمان اس عیارانہ چال کو نہ سمجھا تھا کہ سکھوں کی حکومت مسلمانوں پر کیا مظالم ڈھائے گی ۔ رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۹ء میں انگریزوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا ۔ (معاہدۂ امرتسر) اور مسلمانوں پر سختیاں شروع کر دیں۔[۱] رنجیت سنگھ کی سفاکیوں نے ہی حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور ان کے عظیم رفقاء کو اعلان جہاد کرنے پہ مجبور کیا تھا ۔ اس اصلاحی جہاد نے مسلمانوں میں کچھ بیداری ضرور پیدا کی ہے ۔ مگر انگریزوں کی تفرقہ انداز پالیسی اور سکھوں کی ریشہ دوانیوں نے مسلمانوں کی قوتوں کو مجتمع نہ ہونے دیا ۔ افسوس کچھ مسلمان زعماء اپنے خاص سود جویانہ مقاصد کی خاطر انگریزوں اور سکھوں کے حلیف بن گئے ۔ علامہ اقبال مسلمانوں کے انہی "خالصہ دوستانہ" عزائم پر انتقاد فرماتے ہیں ؎

تا مسلمان کرد با خود آنچہ کرد　　　گردش دوراں بساطش در نورد
مرد حق از غیر حق اندیشہ کرد　　　شیر مولا روبہی را پیشہ کرد
از دلش تاب و تب سیماب رفت　　　خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت
خالصہ شمشیر و قرآن را ببرد　　　اندر آن کشور مسلمانی بمرد

"آنچہ بر پنجاب رفت" سے ان خانہ جنگیوں کی طرف اشارہ ہے جو رنجیت سنگھ کے انتقال (۱۸۳۹ء) کے بعد سکھوں کے درمیان بپا ہوئیں (۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۹ء) دلیپ سنگھ (۱۸۴۳ء - ۱۸۴۹ء) کے عہد میں انگریزوں اور سکھوں میں جنگ چھڑی (۱۸۴۵ء) اور اس میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی ۔ اسی انارکی اور ناامنی کے دور میں ہی شرف النساء بیگم مرحومہ کے مقبرے کو اکھاڑ ڈالا گیا ۲۹ر مارچ ۱۸۴۹ء کو جب پنجاب پر سرکار انگریزی کا قبضہ ہوا ، تو یہ شکستہ مزار منجملہ مزارات ملا جنہیں سکھا شاہی کے غاصبانہ دور میں تہس نہس کیا گیا ہے ۔ ۱۸۸۱ء میں اس مزار کی مرمت ہوئی تھی اور اور علیٰ حالہٖ[۲] باقی ہے ۔ (دیکھئے مشاہیر نسواں)

افسوس ہے کہ مخدرہ شرف النساء بیگم کے حالات زندگی ولادت و وفات رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے اور اولاد وغیرہ کا ہمیں علم نہ ہو سکا ۔ جس معاصر تاریخ کو اٹھائیں ، اس میں کم و بیش وہی معلومات ملتی ہیں جنہیں علامہ اقبال کے اشعار یا چودھری محمد حسین مرحوم کے محولہ بالا مضمون میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ بعض حضرات نے علامہ اور چودھری صاحب کے بیان کردہ واقعات میں تاریخی تسامحات دکھائے ہیں مگر بے سند ۔ ان حالات میں ہم فی الحال یہی صواب سمجھتے ہیں کہ شرف النساء بیگم نواب زکریا خان کی بیٹی اور نواب عبدالصمد خان کی پوتی ہی تھیں ۔ اس طرح ان کا دور حیات اٹھارویں

صادی کامیوری میں گذرا ہے۔ چونکہ ان کا انتقال والدہ کی زندگی میں ہوا۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ زیادہ معمر ہو کر فوت نہیں ہوئیں۔ بہرحال اس خاتون کے عصری ماحول کے اشارات ہم نے مرتب کر دیئے اور اگر کوئی صاحب ان کے حالات پر سے پردہ اٹھائیں، تو دیگر قارئین کرام سے زیادہ راقم الحروف ان کا ممنون ہو گا۔ ع　صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے۔

حوالہ جات

[1] مثلاً شرح جاوید نامہ از مولانا صبغۃ اللہ بختیاری میں۔ [2] ترجمہ منتخب اللباب جلد دوم از خوافی اور سیر المتاخرین جلد اول۔ [3] تذکرہ شعرائے کشمیر (فارسی) از اصلح متخلص میرزا طبع کراچی۔ [4] سیر المتاخرین جلد اول　عمدۃ التواریخ پنجاب [6] تاریخ مکمل کشمیر از فوق (جلد دوم وسوم) کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ از سروری۔ [7] تاریخ حسن جلد دوم طبع سرینگر، کشمیر سلاطین کے عہد میں (اردو ترجمہ) [8] تذکرہ مخزن الغرائب، اورینٹل کالج میگزین لاہور شمارہ اگست ۱۹۲۹ء [9] مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد ص۵۵ [10] رود کوثر، ناشر لاہور؛ نقوش لاہور نمبر۔ [11] سیر المتاخرین جلد دوم، عمدۃ التواریخ پنجاب، قاموس المشاہیر بدایونی [12] حیات ولی اللہ: پروفیسر محمد سرور [13] A HISTORY OF THE PUNJAB, BY S.M. LATIF

[14] پاکستان ناگزیر تھا از سید حسن ریاض؛ زوال سلطنت مغلیہ، جادو ناتھ سرکار جلد دوم

[15] LAHORE, ITS REMAINS AND ANTIQUITIES,
A BOOK OF READINGS ON THE HISTORY OF THE PUNJAB
(VIth chapter)

[16] دیکھئے نقوش کا لاہور نمبر (تاریخی عمارات)

حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنیؒ کے

ملفوظات طیبات

جامع
مولانا عبدالرشید ابن خواجہ نور بخش صاحبؒ
بھلن شریف

حضرت مرشدنا و مولٰنا عبدالغفور صاحب عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق عمومی ارشادات میں کچھ بیان نہیں فرماتے تھے۔ آپ اپنی ذاتی کیفیات کو ہمیشہ چھپاتے تھے۔ شہرت پسندی سے آپ کو بالکل نفرت تھی۔ ایک خصوصی مجلس میں جو حضرات خلفاء پر مشتمل تھی اس میں آپ نے اپنی ذات کے متعلق چند باتیں فرمائیں۔ اور اس بیان سے اللہ تعالٰی کے خصوصی انعامات کا اظہار اور خلفاء کی ہمت بڑھانا مقصود تھا۔

۱۔ فرمایا: میں نے ایک مرتبہ طائف شریف کا سفر دس بارہ رفقاء سمیت پیدل طے کیا پہاڑ کے دامن میں ایک بکرا خرید کر اسے پکایا، کھایا اور شام کو چل پڑے۔ تمام رات سفر میں گذری صبح کو طائف شریف پہنچے۔ میں نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر مراقبہ کیا۔ آپ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تمہیں اللہ تعالٰی کی طرف سے "قطبیت" کا مقام عطا ہوگا۔ الحمدللہ

۲۔ فرمایا: میں نے حج کے زمانہ میں پانچ چھ مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ شریف کے درمیان پیدل سفر کیا ہے۔ فرمایا میں نے جب چوتھی بار ہندوستان سے ارضِ مقدس کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو میری والدہ صاحبہ اور اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ میں نے مکہ مکرمہ سے والدہ اور اہلیہ کے لئے اونٹ کرایہ پر لیا اور خود پاپیادہ چل پڑا۔ وادیٔ فاطمہ کے راستے منزلِ عسفان پر پہنچا، یہ منزل بہت لمبی تھی۔ منزل پر پہنچ کر چاول پکا کر کھائے اور آرام کیا۔ راستہ میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کنبہ میرے ساتھ ہے۔ ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ گذر کیسے ہوگی۔؟ رات کو خواب میں میں نے

دیکھا کہ حجر اسود سے شہد نکل رہا ہے۔ اور میں اسے چاٹ رہا ہوں۔ اس سے میرے دل میں تسلی ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے رزق کا انتظام فرمادیا ہے۔ نیز دوسرا خواب دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لمبا سا کاغذ تھا جس پر انیس ۱۹ بزرگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے مجھے فرمایا ان سب بزرگوں نے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں قیام کیا ہے۔ کیا آپ وہاں قیام نہیں کریں گے۔؟ اس خواب سے مجھے سکون ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھے مدینہ منورہ میں رکھنا منظور ہے۔

۳۔ فرمایا: میں نے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں خواب میں دیکھا کہ میرے حضرت قریشی صاحبؒ نے مدینہ منورہ میں ایک باغ میں اسے سیراب کرنے کے لئے مشین لگائی ہے۔ اس خواب کی میں نے یوں تعبیر لی کہ "مشین" سے مراد "سلسلہ عالیہ نقشبندیہ" ہے۔ اور ہزاروں لوگ اس سلسلہ سے روحانی فیض حاصل کر رہے ہیں۔ (الحمدللہ حضرت کے ذریعہ سے یہ سلسلہ عربی ممالک میں خوب پھیلا) الحمدللہ دل کو پورا اطمینان حاصل ہوگیا۔

۴۔ فرمایا: کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوکر سلام پڑھا مجھے صاف جواب ملا "وعلیک السلام یا ولدی" تو مجھے معلوم ہوگیا کہ میری عباسی نسبت صحیح ہے۔

۵۔ فرمایا: کہ میں نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ روضۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے سلام پیش کیا ہے۔ اور روضۂ اطہر سے موجیں اٹھ رہی ہیں۔ وہ جالی مبارک سے نکل کر میرے قلب پر پڑ رہی ہیں۔ میں خوش ہوکر کھڑا ہوں۔ کہ الحمدللہ پہلے بالواسطہ فیض ملتا تھا۔ اب بلاواسطہ فیض کی موجیں آرہی ہیں۔ میں کھڑا رہا۔ موجیں دریا کی طرح آرہی تھیں۔ میرا دل کیسے انہیں برداشت کرسکتا۔ میں خواب سے بیدار ہوا۔ تو میرا سینہ لبریز تھا۔ دوسرا خواب میں نے دیکھا کہ مزار اقدس پر حاضر ہوں مجھے کنجی عطا کی گئی۔ میں نے مزار مبارک کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر بھی گلاب کے پھول ہیں، اور نیچے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنسے اور میں بھی ہنسا۔ میں خوش تھا کہ آج کنجی میرے پاس ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر آج کوئی اور شخص موجود ہوتا تو اسے بھی زیارت کراتا۔ لیکن میں بولتا نہیں تھا۔ اور یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر بات کروں گا تو میری یہ لطافت ختم ہو جائے گی۔

۶۔ فرمایا: الحمدللہ مدینہ منورہ میں وہ اثرات سب ظاہر ہیں۔ مجھے آج تک کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا ختم خواجگان اور حلقہ جاری رہتا ہے۔ یہ خاص اللہ تعالیٰ

کا فضل ہے۔ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہے۔

۷۔ فرمایا: ایک ترکی کہتا تھا کہ مولانا عبدالغفور تجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص شفقت ہے۔ سلسلہ کے ختمات پڑھتے ہو۔ ذکر کے حلقے ہوتے ہیں، ہم تو ایک دن بھی نہیں پڑھ سکتے۔ الحمدللہ میں سادہ ہوں اور سادگی کے ساتھ بات سمجھاتا ہوں۔ تصنع اور تکلف سے کام نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ اس سادگی کے باعث مجھ پر اپنی بخشش فرمائے گا۔

۸۔ فرمایا: مجھے باب جبرائیل کے قریب مسجد نبویؐ میں قدمین شریفین کے پاس ایک برس تک تمام رات مراقبہ کا وقت ملتا رہا۔ اس وقت صحت اچھی تھی۔ محبت اور ذوق بھی تھا۔ میرے ساتھ بہت سارے دوست بھی مراقبہ میں شامل ہوتے تھے۔ اکثر دوستوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی۔ مجھے بھی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ادن منی ادن منی"۔ رمضان شریف میں تمام رات نوافل اور تلاوتِ قرآن مجید میں گزارتے تھے۔ ذوق و شوق ہوتا تھا۔

۹۔ فرمایا: چوتھے سفر میں جب عبدالحق کی والدہ اور میری اہلیہ ہم رکاب تھیں تو مدینہ منورہ میں میں نے رباط تونک میں ایک سال تک قیام کیا۔ کمرہ اچھا مل گیا تھا۔ دوبارہ حج کے لئے مکہ مکرمہ میں آئے۔ حج سے فارغ ہوئے تو میری اہلیہ نے کہا کہ اب گھر واپس چلیں۔ میں نے کہا کہ حج دو کئے ہیں۔ اور زیارت ایک ہوئی ہے۔ اب دوسری بار زیارت کے لئے مدینہ منورہ چلیں گے۔ اس طرح پیدل مدینہ منورہ آئے۔ محلہ درویشان میں ایک مکان بارہ ریال کرایہ پر ملا۔ اس میں رہائش کی۔ دو بکریاں خریدیں۔ دل چاہتا تھا کہ بکریوں کا دودھ بیچ کر یوں گزر اوقات کروں گا۔ کیونکہ مجھے مدینہ منورہ میں رہنے کا شوق زیادہ تھا۔

اگرچہ مجھے میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت بھی ملی ہوئی تھی۔ اور ہندوستان کے لوگ مجھے بہت چاہتے تھے۔ لیکن مجھے مدینہ منورہ چھوڑنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ ایک مخلص نے دہلی سے پچیس ۲۵ روپیہ ماہوار بھیجنے شروع کر دئے۔ میں چاہتا تھا کہ بکریوں کا دودھ فروخت کر کے بچوں کا گزارا کروں لیکن میرے قریب کے ہمسایہ نور خان صاحب نے مجھ سے کچھ پڑھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری پیشانی میں بکریاں چرانا نہیں، تم نے علم پڑھانا ہے۔ اور اللہ اللہ سکھانا ہے۔ میں نے ختم خواجگان شروع کیا۔ ایک قاری بخاری حمزہ نے میری دعوت کی۔ اس کو سلوک میں بڑا لطف آیا۔ وہ بیعت ہو گیا۔ اس سے حلقہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے درس جلالین اور ختم خواجگان شروع کیا۔

فرمایا : کہ میں چوبیس برس سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ الحمدللہ اس عرصہ میں کوئی حج قضا نہیں کیا۔
فرمایا عبدالحق کی والدہ فوت ہوگئی تو میری والدہ صاحبہ نے مجھے دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا۔ میں مکہ مکرمہ گیا تو وہاں سید علوی مالکی بیعت ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ کاش میرے ہاں لڑکی ہوتی تو میں اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا۔ ایک دوسرا شخص عبدالحمید بیعت ہوگیا۔ اس نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا۔ اب اس بیوی سے بھی اولاد ہے۔ میں جب دہلی میں تھا تو خواب دیکھا تھا کہ میں نے والدہ صاحبہ کے کہنے پر دوسری شادی کی ہے۔ الحمدللہ یہ خواب مکہ میں دوسری شادی کرنے پر پورا ہوا۔ میں نے پاکستان جانے کا خواب بھی دہلی میں دیکھا تھا۔ الحمدللہ پاکستان آکر یہ خواب بھی پورا ہوا۔

ایک شخص حافظ عبدالرحمٰن میرے پاس آیا اور کہا کہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مرید ہوں۔ ان کا وصال ہوگیا ہے۔ آپ مجھے بیعت کرلیں۔ میں نے بیعت کرلیا۔ میری عادت تھی کہ میں ہر جمعرات کو سیدنا حمزہؓ کے مزار پر جاتا تھا۔ ہر ہفتہ کو مسجد قبا میں جاتا تھا۔ اور ہر جمعہ کو جنت البقیع شریف میں جاتا تھا۔ پیر کے دن مسجد قبلتین جاتا تھا۔

ایک مرتبہ میں اُحد شریف (حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار) پر جا رہا تھا کہ حافظ عبدالرحمٰن بھی میرے ساتھ ہوگیا۔ جب ہم حضرت سیدنا حمزہؓ کی زیارت سے واپس ہوئے تو وہ راستہ میں کبھی ادھر دیکھتا تھا کبھی اُدھر۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت شبیہ ہیں۔ میں نے کہا کہ تمہیں یہ کیسے پتہ چلا۔ تو اس نے جواب دیا کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ایک طرف حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسری طرف حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مکان پر پہنچنے تک حافظ عبدالرحمٰن پر یہ کیفیت طاری رہی۔ مکان پر آکر میں نے کہا کہ مجھے آرام کرنا ہے۔ اس نے کہا کہ میں حرم شریف کو جاتا ہوں۔ جب حافظ عبدالرحمٰن زیارت سے واپس آیا تو اس نے مجھے کہا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلام کہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مولانا کو کہنا کہ لوگوں کی باتوں سے نہ ڈرے۔ اپنے کام میں لگا رہے۔ اور آپ کے مکان پر "المنزل المنتسب به مظہر الانوار المحمدیہ" ہم نے اپنی انگلی (مبارک) سے لکھا تھا۔

■■

قارئین کے خطوط

ایڈیٹر الحق کے نام

جشنِ شہنشاہیت اور الحق | ایرانی حکمرانوں نے اڑھائی ہزار سالہ بادشاہت کا جشنِ مسرت منا کر ان غازیانِ اسلام کی توہین کی ہے، جنہوں نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایرانی عوام کو ملوکیت اور بادشاہت کے جابرانہ نظام سے نجات دلائی تھی۔ کسی ایک شخص کے لئے ممکن نہیں کہ ایران کی اڑھائی ہزار سالہ بادشاہت کو بھی اچھا سمجھے اور ان غازیانِ اسلام کی بھی تحسین کرے جنہوں نے پہلی بار ساری دنیا میں ہر قسم کی بادشاہت اور آمریت کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ اس موقع پر ہم پاکستانیوں کا عمومی کردار بھی قابلِ تعریف نہیں۔ ہم نے بھی جابجا آرائشی دروازے بنا کر قومی پیمانے پر تعطیل کر کے اور ایران کے حکمرانوں کو مبارک باد کے پیغامات بھیج کر۔ اس آمریت کی حمایت کی ہے، جس کے خلاف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور غلامانِ محمدؐ نے جہاد کیا تھا۔

ان حالات کے پیشِ نظر اگر اشتراکی اور خاص کر روس اور چین کے مارکسٹ یہ کہیں کہ اسلام بھی آمریت ملوکیت اور بادشاہت کے حامیوں کا مذہب ہے اور اسلام بھی عیسائیت کی طرح عوام کو دبائے رکھنے والے نظام کی تائید کرتا ہے تو اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔؟ یاد رہے کہ دنیا ہمارے اعمال دیکھتی ہے، ہماری کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتی۔

اس موقعہ میں "الحق" کے اداریہ نویس کا شکریہ ادا نہ کرنا بے انصافی ہوگا۔ موصوف نے چند صفحات میں اس ملوکیت پرستی کے خلاف لکھ کر ہمارے لئے ایک ایسی تحریر مہیا کر دی ہے جسے ہم اپنے حلقۂ اثر میں پیش کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ایران میں جو کچھ ہوا ہے۔ اسلام کے خلاف ہوا ہے۔ خدا جزائے خیر دے مدیر الحق کو اور ان کے ساتھیوں کو جنہوں نے اس بلا کے اندھیرے میں ایک چراغ جلا دیا ہے۔

(نیاز مند مضطر عباسی — مری)

نقشِ آغاز کے پہلے تین پیرے گراف پڑھ کر بے حد ذہنی کوفت ہوئی لیکن بفضلہ تعالیٰ مطالعہ آگے

بڑھا تو طبیعت میں بھرپور مسرتوں کی لہر دوڑ گئی۔ تاریخ اسلام اور شہنشاہیت کے بارے میں اس کے تقاضے عالمگیر سبق ہے، اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے۔ (فردوس بک ڈپو۔ احمد پور شرقیہ)

الحق کا تازہ شمارہ نظر سے گذرا۔ اداریہ میں حق پسندی اور حق بیانی کا جو حق ادا کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھ کر دل سے دعائیں نکلیں۔ اس فتنہ پرداز گروہ کی مزید سختی کے ساتھ خبر لینے کی ضرورت ہے جو مصر کے خلاف غیر مصدقہ اور فرضی روایات کی بنا پر تو آسمان سر پہ اٹھائے پھرتا تھا۔ اور اب بالکل واضح حقیقت کو دیکھ کر ان کی زبانیں گنگ اور قلم خشک ہیں۔ ڈھٹائی ان سبائیت جدیدہ کے داعیوں پہ ختم ہے۔ (ارشاد احمد علوی ایم اے۔ رحیم یار خان)

ہماری دینی درسگاہیں جناب کا مضمون دیکھ کر ایسا معلوم ہوا کہ دل کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ ہماری دینی درسگاہوں کے نصاب میں جاندار قسم کی تبدیلی اور دیگر اصلاحات کی بڑی ضرورت ہے اور پورے ملک کے ارباب علم و فکر کے لئے غور و فکر کا مقام ہے۔ (امیر حسین جیلانی۔ اوکاڑہ)

آہ قاری عبدالعزیز شوقیؒ مولانا مرحوم فاضل دیوبند و سہارنپور تھے، بہترین شاعر و ادیب بھی تھے۔ سہ روزہ دعوت کے ایڈیٹر اور مسلم مسجد لاہور کے شیخ التجوید بھی رہے۔ تنظیم اہل سنت کی تشکیل میں آپ کا اہم حصہ تھا۔ پچھلے ۱۵ سال سے دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے صدر مدرس تھے۔ ۹ شعبان ۱۳۹۱ھ اپنی رہائش گاہ ساندہ کلاں لاہور میں انتقال فرما گئے۔ (حبیب الرحمان دارالعلوم الاسلامیہ۔ لاہور)

الجامعہ کا اتحاد عالم اسلام نمبر ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر جانے سے جو ملکی، ملی اور دینی ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ یقیناً آپ سے مخفی نہیں۔ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد عالم اسلام جامعہ محمدی کے عزائم میں شامل ہے۔ اس شدید ضرورت کیلئے عنقریب ماہنامہ الجامعہ کا ایک ضخیم ایڈیشن "اتحاد عالم اسلام نمبر" شائع کیا جا رہا ہے جس میں ملک بھر کے مشاہیر کے علاوہ اسلامی ممالک کی بلند پایہ شخصیتوں کے رشحات قلم بھی شامل ہوں گے۔ (احمد خان عرفانی ایڈیٹر الجامعہ جھنگ)

طب مشرقی کے خلاف سازشیں جناب محترم! مجھے اندازہ نہیں ہے کہ آپ کے نقوش ذہن پر

یہ اخبار ہنوز موجود ہیں یا نہیں کہ اس انجمن کا ایک طبی وفد ۱۹۶۳ء میں چین گیا تھا۔ اس وفد کے قائد کی حیثیت سے میں نے ایک طویل و مفصل اور مثالی رپورٹ صدر مملکت کو پیش کی تھی اور پھر ایک کتاب "مڈیسن ان چائنا" تصنیف کی تھی (۲۲۵ صفحات) اور پھر اس انجمن کی دعوت پر ۱۹۶۶ء میں حکومت چین نے ایک طبی وفد بھیجا تھا جس کی میزبان پاکستان میں یہی انجمن تھی۔ اور جس کے اعلیٰ حسن میزبانی کے نقوش وزارت خارجہ کے فائلوں میں مثال و تقلید کے لئے موجود ہیں۔

ہمدرد صحت بابت جولائی ۱۹۷۱ء آپ کی خدمت میں پہنچ چکا ہے جس کے صفحات ۲۲ تا ۲۵ آپ کی توجہ کے لائق ہیں۔ اور جو "چین" باتصویر کی اس سال کی آخری اشاعت سے ماخوذ ہیں۔ اگر آپ ان صفحات کو ملاحظہ فرمالیں گے تو میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ بالکل واضح ہو جائے گی، یعنی یہ کہ ہمیں اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہونا چاہیے۔

چین پر قدامت اور دقیانوسیت کی پھبتی اب کسی حال میں نہیں کسی جاسکتی۔ وہ ہمارے ایک سال بعد آزاد ہونے والا ملک آج سارے عالم کے لئے مرکز توجہ بن چکا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور اقوام کے سامنے سینہ سپر ہو چکا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا ملک جو اقوام عالم کو امداد و رہنمائی دینے کی پوزیشن میں ہے اور جو تحقیق اور ریسرچ کے میدان میں دنیا کی کسی طاقت سے پیچھے نہیں ہے اپنے مسائل صحت کا حل دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہونے میں ہی پاتا ہے۔ یعنی طب مشرقی اور طب مغربی دونوں سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔

آخر ہم میں کون سا سرخاب کا پر لگ گیا ہے کہ ہم منظم طور پر طب مشرقی کے خلاف سازشیں اور صف آرائی کر کر کے اور عطائیت کی تہمت لگا لگا کر اسے تباہ کر دینے کی فکر میں ہیں اور ذرہ برابر اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہمارا یہ فعل جسے ہم آزادی کے بعد گذشتہ ۲۴ برس سے تواتر و تسلسل کے ساتھ دہرا رہے ہیں ہرگز مفاد صحت ملی میں نہیں ہے۔ اور ہرگز یہ ہمیں خود اعتمادی اور خود کفالتی کی منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔

کیا یہ سمجھا جائے کہ جو قوم اپنے نظریۂ ملی کی حفاظت سے عاری و عاجز ہو چکی ہے اس کا کردار یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قومی ورثوں اپنی تہذیب و ثقافت اور حتی کہ صحت ملی تک سے صرف نظر کرے۔

اگر ایسا ہے تو ہمیں زوال امت کے اس المیہ پر فوراً غور کرنا چاہیے۔

آپکا مخلص حکیم محمد سعید ہمدرد۔ کراچی
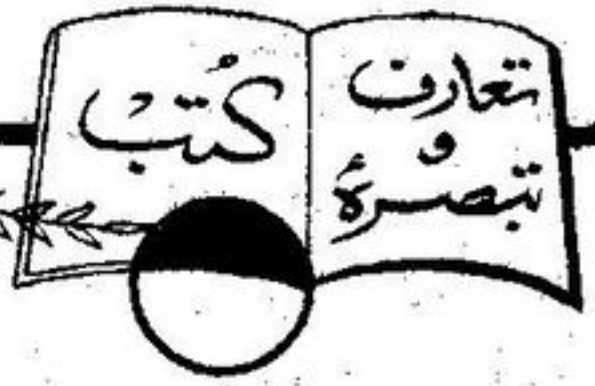
اہل سنت اور اہل بیت | مؤلف: مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہری۔ صفحات: ۹۶
قیمت ایک روپیہ۔ ناشر: مفتاحی اکیڈمی۔ اعظم گڑھ (انڈیا)

عوام ہی نہیں خواص میں بھی "اہل بیت" کا مفہوم واضح نہیں اس عام غلط فہمی سے بعض اہل علم بھی نہ بچ سکے اور انہوں نے بھی اہل بیت سے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ ہی مراد لئے۔ حالانکہ قرآن و حدیث اور لغت کی رو سے اہل بیت میں ازواج مطہرات بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ فاضل مؤلف نے زیر نظر کتابچہ میں آیت تطہیر کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔ اس سلسلے میں حدیث کساء (کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ اور حسنینؓ کو چادر میں لیکر دعا کی کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کو پلیدی سے پاک کر دے) کے جملہ طرق روایت پر بصیرت افروز بحث کی ہے ان کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے۔

ضمنی طور پر مؤلف نے "تفضیل عائشہؓ و فاطمہؓ" جیسے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مؤلف بہرحال مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے صحیح مسلک کو واضح کیا ہے۔ آغاز میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی کا مقدمہ ہے۔ کتابچہ بحیثیت مجموعی جاندار ہے۔ البتہ قرآن حکیم کی آیات کا صرف ترجمہ دیا گیا ہے۔ جو آیات قرآن کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔

وفات سرور کائنات | مؤلف مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہری۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ۵/ روپے
ناشر: مفتاحی اکیڈمی اعظم گڑھ۔

سراج الحق صاحب نے "وفات سرور کائنات" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور وفات کا تاریخ وار ذکر کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق سرور کائنات کی مرض کا آغاز چہار شنبہ

۲۹ صفر سنہ ھ کو ہوا اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ فاضل مؤلف نے مشہور قول کو اختیار کیا ہے۔ نبی اکرمؐ کی تاریخِ وفات کے بارے میں مختلف روایات مروی ہیں جن میں سے ۱۲ ربیع الاول زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور اہل تحقیق کا ایک طبقہ یہی تاریخِ وفات بتاتا ہے۔ تاہم سراج الحق صاحب کی یہ کوشش ایک مریض کے تلبنؔ (BULLITAN) کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن کا مطالعہ کیسے؟ | مؤلف مولانا محمد اویس نگرامی ندوی۔ صفحات ۸۰ قیمت ۲۵/۱ روپیہ

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی دار العلوم ندوہ میں فنِ تفسیر کے استاد ہیں اور درسِ قرآن کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور اپنے ذوق و وجدان کے لحاظ سے صحیح معنوں میں قرآنیات کے عالم ہیں۔ انہوں نے ابن قیمؒ کی تفسیر بیسیوں کتابیں کھنگالنے کے بعد مرتب کیا اور اہل علم سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ زیر نظر کتابچے میں انہوں نے قرآن حکیم کے مطالعے کے لوازمات پر اظہار خیال کیا ہے۔ ضمنی طور پر تاریخِ تفسیر پر روشنی ڈالی ہے۔ اور مستشرقین مغرب کی چند غلط فہمیوں پر کڑی گرفت کی ہے۔ اس کتابچے کے ناشر مکتبہ علمیہ ۲۰/۸۷ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ ہیں۔

کعب بن زہیر اور قصیدہ بانت سعاد | مترجم و شارح : علی محسن صدیقی۔ صفحات ۱۰۴ قیمت ۲۵/۳ روپے۔ ناشر : المکتبۃ الاسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی۔

کعب ابن زہیرؓ نے عہد جاہلیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند ہجویہ اشعار کہے اور نبی اکرمؐ نے کعب کا خون هدر کر دیا (یعنی جو شخص پائے اسے قتل کر دے) مگر کعب نے اسلام قبول کر لیا اور نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پیش کیا اور نبی اکرمؐ کا نعت گو بن گیا۔ قصیدہ "بانت سعاد" ایک عرصے سے عوام و خواص میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔ اردو داں طبقہ اس سے لطف نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جناب علی محسن صدیقی نے اسے اردو کا جامہ پہنا دیا ہے۔ مترجم موصوف نے مختلف نسخوں کے اختلاف کو حل کیا ہے اور سلیس رواں اور دلنشیں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمے اور تشریح کی قدر و قیمت بیش قیمت دیباچے سے مزید بڑھ گئی ہے۔ مختصر یہ کہ مترجم موصوف کی کوشش قابل قدر ہے۔ اور اہل ذوق کے لئے ایک احسان سے کم نہیں۔

الہامی پیشین گوئیاں | مؤلف : سعید بن وحید (نیلیگ) مبلغ اسلام۔ ناشر : دیندار انجمن ای ۱۱۵ کورنگی ٹاؤن ۳ کراچی ۳۱۔ دیندار انجمن کے بانی مولانا صدیق دیندار ہیں جنہوں نے ۱۹۲۴ء میں حیدر آباد (دکن) کے ایک مقام گدگ سے ہندوؤں کے موعود "چن بسویشور" ہونے کا دعویٰ کیا

کیا۔ ہندوؤں میں بھی مذہبی بزرگوں نے ایک موعود کے آنے کی پیش گوئی کی تھی اور مولانا صدیق دیندار نے اپنے آپ کو وہی موعود بتایا۔ اس سلسلے میں انہیں بیشمار مصائب کی وادیوں سے گزرنا پڑا۔ اور ۱۹۵۲ء میں انتقال کیا۔

چن بسویشور کی قائم کردہ انجمن دیندار کے کچھ افراد کراچی آ گئے اور انہوں نے تبلیغ اسلام کی کوششیں شروع کر دیں۔ زیر نظر کتابچے میں شاہ نعمت اللہ ولی کے مشہور قصیدے کے کچھ اشعار کی وضاحت کی گئی ہے اور ان کے مصداق بتائے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے مکاشفوں سے بھی حالات حاضرہ کو واضح کیا۔ اور اسی طرح ہندو اوتاروں اور رشیوں کے اقوال سے چند پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ ایسی کتابیں بعض اوقات ضعیف الاعتقادی کے جراثیم پیدا کر دیتی ہیں اور عوام کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ جس سے جذبۂ کار متاثر ہوتا ہے۔ نیز مکاشفوں اور پیش گوئیوں کی ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق تاویل کر لیتا ہے اس لئے یہ کتاب عوام کیلئے چنداں موزوں نہیں۔ تاہم ایک خاص ذوق رکھنے والوں کے لئے دلچسپ ضرور ہے۔ ——(اختر راہی)——

تقرب الٰہی حصہ اوّل | حکیم محمد علی صاحب امرتسری فاروق گنج گوجرانوالہ۔ قیمت مجلد ۲/۵۰ روپیہ صفحات ۲۰۰ کاغذ نیوز۔ حکیم محمد علی صاحب معمر بزرگ ہیں دل بینا اور سوز دروں سے مالا مال حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کے متوسلین میں سے ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں قرب و رضا کا مقام سب سے بڑھ کر نعمت ہے اس کتاب میں محبت اور قرب الٰہی پیدا کرنے والے اعمال صالحہ کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز عبادات میں بزرگوں کی محویت ذوق و شوق اور استغراق کی بھی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ کتاب کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہو گا۔

ماہنامہ منبر الاسلام کراچی | مدیر مسئول حافظ محمد اسماعیل صاحب۔ ۵۔ پہلی منزل عیدگاہ شاہ ولی اللہ روڈ کراچی ۲۔ صفحات ۴۸، زر سالانہ ۶/ روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے، کاغذ سفید کرنافلی۔

نئے دینی اصلاحی و علمی مجلّہ کا پہلا شمارہ، مضامین متنوع اور نئے حالات اور مسائل کو ملحوظ رکھ کر، فاضل مدیر نے افتتاحیہ میں عصری تقاضوں کی روشنی میں بلند پایہ عزائم کا اظہار کیا ہے۔ ہم جادۂ حق کے نئے ساتھی کا خیر مقدم کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ دین کا بہترین داعی اور منّاد ثابت ہو۔ امید ہے کہ علمی و ادبی حلقے اس کا خیر مقدم کریں گے۔ ترتیب مضامین اور کتابت پر مزید توجہ ضروری ہے۔

——(سمیع الحق)——

مولانا سلطان محمود صاحب

دفتر اہتمام دار العلوم

دار العلوم حقانیہ

مجلس شوریٰ کا جلسہ | دار العلوم حقانیہ کے دار الحدیث ہال میں ۱۷ اکتوبر بروز اتوار مجلس شوریٰ دار العلوم کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ ملک کے مختلف حصوں سے ارکان شوریٰ نے شرکت کی۔ جلسہ کی صدارت مولانا الحاج میاں مسرت شاہ صاحب کاکاخیل نے فرمائی۔ قاری محمد امین صاحب و قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی کی تلاوت کلام پاک کے بعد مہتمم دار العلوم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق مدظلہ نے دار العلوم کے تعلیمی اور انتظامی شعبوں کی کارکردگی اور آئندہ تعلیمی عزائم اور منصوبوں، نیز سال گذشتہ و سال رواں کے بجٹ کی تشریح پر ایک مفصل رپورٹ پیش کی۔

سال گذشتہ کے آمد و خرچ پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے بتایا کہ سال ۱۳۹۰ھ میں دار العلوم کے علمی واشاعتی اور انتظامی شعبوں پر ایک لاکھ پچانوے ہزار بیس روپے ستر پیسے خرچ ہوئے اور ایک لاکھ چھیانوے ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے ستاون پیسے کی آمدنی ہوئی۔ سال گذشتہ کے منظور شدہ اور واقعی مصارف کی کمی بیشی پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے سال رواں ۱۳۹۱ھ کے لئے دو لاکھ بائیس ہزار پانچ سو نوے روپے کے لازمی اخراجات کا میزانیہ پیش کیا۔ نئے بجٹ کی رو سے میزانیہ میں مبلغ چھتیس ہزار اکیس روپے اڑتالیس پیسے کا خسارہ ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر متوقع آمدنی کے پیش نظر مجلس شوریٰ نے مذکورہ بجٹ کی منظوری دیدی۔ حضرت مہتمم صاحب نے اگلے عزائم کے سلسلہ میں دار العلوم میں حفظ و تجوید، فن طب اور دیگر بعض صنعتی علوم کی اہمیت پر زور دیا نیز قدیم علوم کے ساتھ جدید سائنس ریاضی اور حساب کے بنیادی مباحث کو نصاب میں جگہ دینے پر زور دیا۔ تعمیرات کے سلسلہ میں آپ نے ہاسٹل مہمان خانہ اور ایک وسیع لائبریری کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا اور کہا کہ اہل خیر مسلمانوں کی توجہات شامل رہیں تو دار العلوم کی تعلیمی اور تعمیری ضروریات جس کے لئے سرمایہ کی اشد ضرورت ہے ــــــ

ــــــ انہوں نے کہا کہ مسلمان اپنی تاریخ کے ہر دور میں اسلامی تعلیمات اور علوم نبویہ کی بدولت مشکلات

اور مصائب سے نکلے اور برصغیر میں عہد غلامی کے باوجود بھی اگر اسلام اپنی شکل میں قائم رہ سکا تو یہ ان دینی مدارس اور اسلامی علوم ہی کا نتیجہ تھا۔

انہوں نے جن افسوسناک حالات سے ملک دوچار ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: کہ ان حالات نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے۔ کہ اس ملک میں مسلمانوں کی بقاء و سلامتی صرف اسلامی علوم، اسلامی آئین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور طریقہ زندگی پر موقوف ہے۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ موجودہ بحران میں بنیادی حصہ ہماری جدید تعلیم گاہوں اور نظام تعلیم کا دینی تعلیم و تربیت سے یکسر خالی ہونے کا ہے۔ حالانکہ اس وقت نظام تعلیم کو دینی اور اخلاقی بنیادوں پر مرتب کرنے کی اہمیت قوم کے لئے رگ جان سے بڑھ کر ہے۔

اجلاس کے آغاز میں پچھلے اجلاس شوریٰ کے بعد وفات پا جانے والے مجلس شوریٰ کے مرحوم اراکین اور دیگر معاونین کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مجلس شوریٰ سے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرائی۔ دارالعلوم کو داغ مفارقت دینے والے ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ جناب الحاج میاں میر احمد گل صاحب معروف بہ شیخ میاں چشتی۔ مولانا الحاج حکیم نورالحق صاحب تنگی چارسدہ۔ الحاج میاں غلام سرور شاہ صاحب۔ حکمت آباد، جناب کرنل عثمان شاہ نوشہرہ جناب عبدالغفور خان صاحب پیر پیائی ــــــ

بجٹ پر بحث کے دوران اراکین نے دارالعلوم کی روبہ ترقی کارگذاریوں پر اطمینان کا اظہار کیا اور مختلف ترقیاتی تجاویز زیر بحث لائی گئیں۔ اساتذہ اور عملہ دارالعلوم کے مشاہروں پر غور کے لئے منتخب کمیٹی کی سفارش پر مشاہروں میں معقول اضافہ کیا گیا۔ پچھلے سال کے مصارف اور سال رواں کے میزانیہ اخراجات کا نقشہ اگلے صفحہ پر پیش ہے۔

ختم بخاری شریف | یکم شعبان کو بعد از نماز عصر دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد کے صحن میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے طلبۂ دورۂ حدیث کو ختم بخاری کراتے ہوئے علم کے مقام، اہمیت، فضیلت اور ذمہ داریوں پر مؤثر اور رقت انگیز خطاب فرمایا۔ اور فارغ ہونے والے فضلاء کو حدیث پڑھنے پڑھانے کی اجازت اسنادِ حدیث عطا فرمائی اس تقریب میں اس سال کے شریک دورہ حدیث ۱۱۹ طلباء کے علاوہ تمام طلبۂ دارالعلوم و اساتذہ اور بہت سے خوش نصیب حضرات نے شرکت فرمائی۔ یہ ایمان پرور تقریب شام کی نماز پر ختم ہوئی ـــــ

نقشہ میزانیہ برائے سال رواں ۱۳۹۱ھ و اخراجات ۱۳۹۰ھ

نمبر شمار	مدات خرچ	میزانیہ ۱۳۹۱ھ		اخراجات ۱۳۹۰ھ		
				لائسنس بندوق	۵۰	۴
۱	مطبخ	-	۶۳,۲۰۰ روپے		۶۲	۶۲,۱۹۹ روپے
۲	ڈاک	-	۱,۵۵۰		۰۸	۱,۴۸۶
۳	نقد امداد	-	۱۵۰		-	۷۲
۴	کرایہ مکانات	-	۳۰۰		-	۴۲۸
۵	صابن	-	۱,۸۰۰		۱۲	۱,۲۵۹
۶	روشنی اور فٹنگ بجلی	-	۳,۲۰۰		۸۴	۳,۸۹۵
۷	رسائل و اخبارات	-	۲۱۰		۲۸	۲۶۰
۸	اشاعت	-	۴۸۰		۶۷	۳۷۰
۹	امتحانات	-	۲۰۰		۹۹	۳۴۲
۱۰	کتب خرید و مرمت	-	۱,۵۰۰		۰۴	۲,۵۹۶
۱۱	باغیچہ	-	۸۰		۳۷	۱۰۰
۱۲	تبلیغ	-	۱۰۰		-	۱۸
۱۳	سفارت	-	۱۲,۲۰۰		۲۶	۱۲,۱۴۱
۱۴	سٹیشنری	-	۶۰۰		۷۰	۶۷۳
۱۵	تنخواہ معہ الاؤنس	-	۴۵,۱۰۰		۷۵	۴۳,۰۵۳
۱۶	تعلیم القرآن	-	۱۲,۳۰۰		۳۸	۱۱,۷۳۲
۱۷	خرید لاؤڈ سپیکر	-	۱,۰۰۰	فیس انتقال	۵۰	۱۱
۱۸	مرمت واٹر پمپ	-	۳۴۰		۹۴	۲۸۷
۱۹	آب رسانی	-	۱,۱۵۰		۰۷	۳۱۵
۲۰	سامان خرید و مرمت	-	۲,۰۰۰		۴۱	۱,۶۸۴
۲۱	متفرق	-	۴۰۰		۵۶	۳۴۵
۲۲	ٹیلیفون (زرضمانت و بل)	-	۱,۰۰۰		۴۷	۵۶۴
۲۳	سالانہ جلسہ	-	۱۲,۰۰۰	بنک کمیشن	۵۰	۱۱
۲۴	تعمیر دارالاقامہ	-	۱۴,۵۵۰		۳۱	۱۴,۲۱۱
۲۵	مرمت تعمیرات	-	۳,۰۰۰	تعمیر تعلیم القرآن	۲۸	۱۳,۳۱۶
۲۶	تعمیر مہمان خانہ	-	۱۰,۰۰۰	تعمیر اسٹیج	۶۲	۷۲۰
۲۷	تعمیر کتب خانہ	-	۸,۰۰۰	فرنیچر	-	۶۳۰
۲۸	آڈٹ	-	۱۸۰		-	۱۸۰
۲۹	ماہنامہ الحق	-	۲۲,۰۰۰		۴۴	۱۸,۳۲۲
		-	۲,۲۲,۵۹۰		۷۰	۱,۹۵,۰۲۰

سالانہ امتحانات: دارالعلوم کے تقریری و تحریری امتحانات ۲۵ رجب کو شروع ہوئے اور ۸ شعبان تک جاری رہے۔ دورۂ حدیث کے امتحانات وفاق المدارس العربیہ کی نگرانی میں ہوئے اور نگرانی کے فرائض جناب مولانا فیض علی شاہ صاحب دارالعلوم کبیر والا، ماسٹر عبدالغنی صاحب ہیڈ ماسٹر ملتان و مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدرسہ تقیر والی نے انجام دئیے جبکہ دیگر امتحانات کا نظم و نسق اساتذہ دارالعلوم نے انجام دیا۔ ۹ شعبان سے دارالعلوم میں رمضان کی تعطیلات ہوئیں جو ۱۰ شوال تک جاری رہیں گی۔ البتہ تعلیم القرآن، دارالافتاء، ماہنامہ الحق کے شعبے اور دفاتر اہتمام بدستور مشغول رہیں گے۔

★